هٰذا بلاغ للناس
ماہنامہ
کراچی
البلاغ
زیر سرپرستی:
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

دار العلوم کراچی کا ترجمان

جلد ۲
شمارہ ۴

ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ
جولائی ۱۹۶۸ء

مدیر اعلیٰ
محمد تقی عثمانی

مدیر انتظامی
خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری

فی پرچہ: ۵۶ پیسے • سالانہ: ۶ روپے • غیر ممالک سے: ایک پونڈ سالانہ • ہوائی ڈاک سے: ۲ پونڈ سالانہ
ڈاک کا پتہ: ماہنامہ "البلاغ" - دار العلوم - کراچی ۱۴ - فون: ۲۸۱۱۷

ہندوستانی خریدار مندرجہ ذیل پتہ پر چندہ ارسال فرما کر ڈاکخانہ کی رسید ہمیں بھیج دیں رسالہ ان کے نام جاری کر دیا جائے گا:
مولانا ظہور الحسن صاحب۔ خانقاہ امدادیہ۔ تھانہ بھون۔ ضلع مظفر نگر۔ (یو۔پی)

ترتیب

اسٹاپ پریس

اسٹاپ پریس

معارف القرآن

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

واقعہ آدم و ابلیس

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۞ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۞ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ○ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ○ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ○ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ○ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۞ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ○ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ○ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ○ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ○ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۞ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۞

خلاصۂ تفسیر | ولقد خلقنا الانسان من صلصال (الیٰ قولہ تعالیٰ) لکل باب منھم جزءٌ مقسوم ○

اور ہم نے انسان کو (یعنی اس نوع کی اصل اول آدم علیہ السلام کو) بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی تھی پیدا کیا (یعنی اول گارے کو خوب خمیر کیا کہ اس میں بو آنے لگی پھر وہ خشک ہوگیا کہ وہ خشک ہونے سے کھن کھن بولنے لگا جیسے مٹی کے برتن چٹکی مارنے سے بجا کرتا ہے پھر اس خشک گارے سے آدم کا پتلا بنایا جو بڑی قدرت کی علامت ہے) اور جن کو (یعنی اس نوع کی اصل ابوالجان کو) اس کے قبل (یعنی آدم علیہ السلام کے قبل) آگ سے کہ وہ (غایت لطافت کی وجہ سے) ایک گرم ہوا تھی پیدا کرچکے تھے (مطلب یہ کہ چونکہ اس آگ میں اجزاء دخانیہ نہ تھے اس لئے وہ مثل ہوا کے نظر نہ آتی تھی کیونکہ آگ کا نظر آنا اجزائے کثیفہ کے اختلاط سے ہوتا ہے۔

اس کو دوسری آیت میں اس طرح فرمایا ہے وخلق الجان من مارج من نار) اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے

جب آپ کے رب نے ملائکہ سے (ارشاد) فرمایا کہ میں ایک بشر کو (یعنی اس کے پتلے کو) بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہوگی پیدا کرنے والا ہوں سو میں جب اس کو (یعنی اس کے اعضائے جسمانیہ کو) پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی (طرف سے) جان ڈالدوں تو تم سب اس کے رو برو سجدہ میں گر پڑنا سو (جب اللہ تعالیٰ نے اس کو بنا لیا تو) سارے کے سارے فرشتوں نے (آدم علیہ السلام کو) سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ اس نے اس بات کو قبول نہ کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو (یعنی سجدہ نہ کیا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس تجھ کو کون امر باعث ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہے پیدا کیا ہے (یعنی ایسے حقیر و ذلیل مادے سے بنایا گیا ہے کیونکہ میں نورانی مادۂ آتش سے پیدا ہوا ہوں تو نورانی ہو کر ظلمانی کو کیسے سجدہ کروں) ارشاد ہوا تو (اچھا پھر) آسمان سے نکل کیونکہ بیشک تو (اس حرکت سے) مردود ہو گیا اور بیشک تجھ پر (میری) لعنت قیامت تک رہے گی (جیسا دوسری آیت میں ہے "علیک لعنتی" قیامت تک تو میری رحمت سے بعید رہے گا توبہ کی توفیق نہ ہوگی اور مقبول و مرحوم نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ قیامت تک جو محل رحمت نہ ہو تو پھر قیامت میں تو مرحوم ہونے کا احتمال ہی نہیں پس جس وقت تک احتمال تھا اس کی نفی کر دی اور اس سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اس میں تو مہلت مانگنے سے پہلے ہی مہلت دینے کا وعدہ ہو گیا بات یہ ہے کہ مقصود قیامت تک عمر دینا نہیں ہے کہ یہ شبہ ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ حیات دنیویہ میں تو ملعون ہے گو وہ قیامت تک ممتد کیوں نہ ہو) کہنے لگا (کہ اگر مجھ کو آدم کی وجہ سے مردود کیا ہے) تو پھر مجھ کو (مرنے سے) مہلت دیجئے قیامت کے دن تک (تاکہ ان سے اور ان کی اولاد سے خوب بدلہ لوں) ارشاد ہوا (جب تو مہلت مانگتا ہے) تو (جا) تجھکو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی کہنے لگا اے میرے رب بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو (بحکم تکوینی) گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں دنیا میں ان کی (یعنی آدمؑ اور اولاد آدمؑ کی) نظر میں معاصی کو مرغوب کر کے دکھلاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا، بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں (یعنی آپ نے ان کو میرے اثر سے محفوظ رکھا ہے) ارشاد ہوا کہ (ہاں) یہ (منتخب ہو جانا جس کا طریقہ اعمال صالحہ و اطاعت کاملہ ہے) ایک سیدھا رستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے (یعنی اس پر چل کر ہمارا مقرب ہو جاتا ہے) واقعی میرے ان (مذکورہ) بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا ہاں مگر جو گمراہ لوگوں میں تیری راہ پر چلنے لگے (تو چلے) اور (جو لوگ تیری راہ پر چلیں گے) ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے جس کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ (میں سے جانے) کے لئے ان لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں (کہ کوئی کسی دروازہ سے جاوے گا کوئی کسی دروازے سے)

احکام و مسائل

بدن انسانی میں نفخ روح اور اس کو مسجود ملائکہ بنانے کی مختصر تحقیق

روح کوئی جسم ہے یا جوہر مجرد اس میں علماء و حکماء کا اختلاف قدیم سے چلا آتا ہے۔ شیخ عبدالرؤف مناوی نے فرمایا کہ اس میں حکماء کے اقوال ایک ہزار تک پہنچے ہیں مگر سب قیاسات اور تخمینے ہی ہیں کسی کو یقینی نہیں کہا جا سکتا۔ امام غزالی امام رازی اور عموماً صوفیہ اور فلاسفہ کا قول یہ ہے کہ وہ جسم نہیں بلکہ جوہر مجرد ہے امام رازی نے اس کی بارہ دلائل پیش کئے ہیں۔

مگر جمہور علماء امت روح کو ایک جسم لطیف قرار دیتے ہیں۔ نفخ کے معنی پھونک مارنے کے ہیں اگر بقول جمہور روح کو جسم لطیف قرار دیا جائے تو اس کو پھونکنا ظاہر ہے، اور جوہر مجرد مان لیا جائے تو پھونکنے کے معنے اس کا بدن سے تعلق پیدا کر دینا ہوگا۔ (بیان)

یہاں اس طویل الذیل بحث کو چھوڑ کر ایک خاص تحقیق پر اکتفا کیا جاتا ہے جو تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح نے تحریر فرمائی ہے۔ حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ روح کی دو قسم ہیں علوی اور سفلی۔ روح علوی مادہ سے مجرد اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جس کی حقیقت کا ادراک مشکل ہے۔ اہل کشف کو اس کا مقام عرش کے اوپر دکھائی دیتا ہے کیونکہ وہ عرش سے زیادہ لطیف ہے۔ اور روح علوی بنظر کشفی اوپر نیچے پانچ درجات میں محسوس کی جاتی ہے وہ پانچ یہ ہیں۔ قلب، روح سر، خفی، اخفیٰ اور یہ سب عالم امر کے لطائف میں سے ہیں جس کی طرف قرآن نے ارشاد فرمایا ہے قل الروح من امر ربی اور روح سفلی وہ بخار لطیف ہے جو بدن انسانی کے عناصر اربعہ، آگ، پانی، مٹی، ہوا سے پیدا ہوتا ہے اور اسی روح سفلی کو نفس کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس روح سفلی کو جسے نفس کہا جاتا ہے ارواح علویہ مذکورہ کا آئینہ بنا دیا ہے۔ جس طرح آئینہ جب آفتاب کے مقابل کیا جائے تو آفتاب کے بہت بعید ہونے کے باوجود اس میں آفتاب کا عکس آجاتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ بھی آفتاب کی طرح چمکنے لگتا ہے اور آفتاب کی حرارت بھی اس میں آجاتی ہے جو کپڑے کو جلا سکتی ہے۔ اسی طرح ارواح علویہ اگرچہ اپنے تجرد کی وجہ سے بہت اعلیٰ و ارفع اور بہت مسافت بعیدہ پر ہیں مگر ان کا عکس اس روح سفلی کے آئینہ میں آکر ارواح علویہ کی کیفیات و آثار اس میں منتقل کر دیتا ہے۔ اور یہی آثار جو نفوس میں پیدا ہو جاتے ہیں ہر ہر فرد کے لئے ارواح جزئیہ کہلاتے ہیں۔

پھر یہ روح سفلی جس کو نفس کہتے ہیں اپنی ان کیفیات و آثار کے ساتھ جن کو ارواح علویہ سے حاصل کیا ہے اس کا تعلق بدن انسانی میں سب سے پہلے مضغہ قلبیہ سے ہوتا ہے اور اس تعلق ہی کا نام حیات اور زندگی ہے۔ روح سفلی کے تعلق سے سب سے پہلے انسان کے قلب میں حیات اور وہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں جن کو نفس نے ارواح علویہ سے حاصل کیا ہے۔ یہ روح سفلی پورے بدن میں پھیلی ہوئی باریک رگوں میں سرایت کرتی ہے جن کو شرائین کہا جاتا ہے اور اس طرح وہ تمام بدن انسانی کے ہر حصہ میں پہنچ جاتی ہے۔

روح سفلی کے بدن انسانی میں سرایت کرنے ہی کو نفخ روح سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ کسی چیز میں پھونک بھرنے سے بہت مشابہ ہے۔

اور آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف منسوب کر کے من روحی اس لئے فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات میں روح انسانی کا اشرف و اعلیٰ ہونا واضح ہو جائے کیونکہ وہ بغیر مادہ کے محض امر الٰہی سے پیدا ہوئی ہے۔ نیز اس میں تجلیات رحمانیہ کے قبول کرنے کی ایسی استعداد ہے جو انسان کے علاوہ کسی دوسرے جاندار کی روح میں نہیں ہے۔

اور انسان کی پیدائش میں اگرچہ عنصر غالب مٹی کا ہے اور اسی لئے قرآن عزیز میں انسان کی پیدائش کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن درحقیقت وہ دس چیزوں کا جامع ہے جن میں پانچ عالم خلق کی ہیں اور پانچ عالم امر کی۔ عالم خلق کے چار عنصر۔ آگ، پانی، مٹی، ہوا اور پانچواں ان چاروں سے پیدا ہونے والا بخار لطیف جس کو روح سفلی یا نفس کہا جاتا ہے۔ اور عالم امر کی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، یعنی قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ۔

اسی جامعیت کے سبب انسان خلافت الٰہیہ کا مستحق بنا، اور نور معرفت اور نار عشق و محبت کا متحمل ہوا۔ جس کا نتیجہ بے کیف معیت الٰہیہ کا حصول ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المرأ مع من احب یعنی ہر انسان اس فرد کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے۔ اور انسان میں تجلیات الٰہیہ کی قابلیت اور معیت الٰہیہ کا

جو درجہ اس کو حاصل ہے اسی کی وجہ سے حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کو مسجود ملائکہ بنایا جائے۔ ارشاد ہوا فقعوا لہ سٰجدین۔

حکم سجدہ فرشتوں کو ہوا تھا ابلیس اسمیں تبعاً شامل قرار دیا گیا

سورۂ اعراف میں ابلیس کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے۔ ما منعک ان لا تسجد اذ امرتک اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم فرشتوں کی ساتھ ابلیس کو بھی دیا گیا تھا۔ اس لئے اس سورت کی جو آیات ابھی آپ نے پڑھی ہیں جن سے بظاہر اس حکم کا فرشتوں کے لئے مخصوص ہونا معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اصالۃً یہ حکم فرشتوں کو دیا گیا۔ مگر ابلیس بھی چونکہ فرشتوں کے اندر موجود تھا اس لئے تبعاً وہ بھی اس حکم میں شامل تھا کیونکہ آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کے لئے جب اللہ تعالیٰ کی بزرگ ترین مخلوق فرشتوں کو حکم دیا گیا تو دوسری مخلوق کا تبعاً اس حکم میں داخل ہونا بالکل ظاہر تھا۔ اسی لئے ابلیس نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ مجھے سجدہ کا حکم دیا ہی نہیں گیا تو عدم تعمیل کا جرم بھی مجھ پر عائد نہیں ہوتا۔ اور شاید قرآن کریم کے الفاظ ابیٰ ان یکون مع السٰجدین میں بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اصل ساجدین تو فرشتے ہی تھے مگر عقلاً لازم تھا کہ ابلیس بھی جب ان میں موجود تھا وہ بھی ملائکہ ساجدین کی ساتھ شامل ہو جاتا اس کے عدم شمول پر عتاب فرمایا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں پر شیطان کا تسلط نہ ہونے کے معنی

ان عبادی لیس لک علیھم سلطان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور منتخب بندوں پر شیطانی فریب کا اثر نہیں ہوتا، مگر اسی واقعہ آدمؑ میں یہ بھی مذکور ہے کہ آدم و حوا پر اس کا فریب چل گیا اسی طرح صحابہ کرام کے بارہ میں قرآن کریم کا ارشاد ہے انما استزلھم الشیطان ببعض ما کسبوا (آل عمران) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ پر بھی شیطان کا کید چل گیا۔

اس لئے آیت مذکورہ میں اللہ کے مخصوص بندوں پر شیطان کا تسلط نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قلوب و عقول پر شیطان کا ایسا تسلط نہیں ہوتا کہ ان کو توبہ نصیب نہ ہو یا کوئی ایسا گناہ کر بیٹھیں جس کی مغفرت نہ ہو سکے۔

اور مذکورہ واقعات اس کے منافی نہیں کیونکہ آدم و حوا علیہما السلام نے توبہ کی اور یہ توبہ قبول ہوئی اسی طرح حضرات صحابہ نے بھی توبہ کر لی تھی۔ اور شیطان کے کرے جس گناہ میں ابتلا ہوا وہ معاف کر دیا گیا۔

جہنم کے سات دروازے لھا سبعۃ ابواب

امام احمدؒ، ابن جریر طبری، اور بیہقی نے بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ لکھا ہے کہ جہنم کے سات دروازے اوپر نیچے سات طبقات کے اعتبار سے ہیں اور بعض حضرات نے ان کو عام دروازوں کی طرح قرار دیا ہے۔ ہر دروازہ خاص قسم کے مجرمین کے لئے مخصوص ہوگا (قرطبی)

آپ کی توجہ کیلئے

جن حضرات کا چندہ اس ماہ کے پرچہ پر ختم ہو رہا ہے ازراہ کرم وہ آئندہ سال کا چندہ اس ماہ کے آخر تک ارسال فرما دیں، ورنہ ان کی خدمت میں وی پی حاضر ہوگا جس کو وصول کرنا ان کا دینی فریضہ ہوگا۔

مہربانی فرما کر خط و کتابت کے وقت ہمیشہ خریداری نمبر لکھئے۔

درسگاہ رسالت

مولانا سلیم اللہ صاحب

قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ۔

اسلام اور ایمان کے بعد سائل نے تیسرا سوال "احسان" کے متعلق کیا ہے کہ "ما الاحسان" یعنی احسان کی حقیقت کیا ہے، اسلام و ایمان کے بعد احسان کے متعلق سوال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام و ایمان کی تکمیل احسان ہی سے ہوتی ہے تو جس طرح شریعت میں اسلام اور ایمان مطلوب ہیں اسی طرح ان کی تکمیل کے لئے احسان بھی مطلوب و مقصود ہے

ہمارے محاورہ میں کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو احسان کہتے ہیں لیکن حدیث پاک میں جس احسان کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس کے علاوہ قرآن و حدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔

ہاں جس نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا اور اس کے ساتھ احسان کا وصف بھی اس میں ہوا تو اس کے رب کے پاس اس کیلئے خاص اجر ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا ہے

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ۔

اور اس سے اچھا دین میں کون ہو سکتا ہو جس نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا اور ساتھ ہی وہ محسن (یعنی صاحب احسان) بھی ہے

اس اصطلاح کا کیا مفہوم ہے؟ اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہاں ارشاد فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہو کہ احسان اس کو کہتے ہیں کہ خدا کی بندگی اس طرح کی جائے جیسے کہ وہ مالک الملک والملکوت اور ذوالجلال والجبروت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں اس کو یوں سمجھئے کہ غلام ایک تو اپنے آقا اور مالک کے احکام کی تعمیل اس وقت کرتا ہے جبکہ وہ اس کے سامنے ہو اور اس کو یقین ہو کہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ایک رو اس کا اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ آقا کی غیر موجودگی میں کام کرتا ہے عموماً ان دونوں حالتوں کے طرز عمل میں فرق ہوتا ہو اور عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جس قدر دلی دھیان، محنت اور خوبصورتی کے ساتھ وہ آقا کی آنکھوں کے سامنے کام کرتا ہے اور جس خوش اسلوبی سے اس وقت وظائف خدمت کو انجام دیتا ہے، مالک کی عدم موجودگی میں اس کا وہ حال

نہیں ہوتا، یہی حال بندوں کا اپنے حقیقی مولا کے ساتھ بھی ہے، جس وقت بندہ یہ محسوس کرتا ہے کہ میرا مولا حاضر و ناظر ہے وہ میرے ہر کام بلکہ ہر ہر حرکت اور سکون کو دیکھ رہا ہے تو اس کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے اور اس کی بندگی اور طاعت میں نیازمندی کی ایک خاص شان پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب اس کا دل اس تصور اور احساس سے خالی ہوتا ہے تو پھر اس کے عمل اور بندگی میں وہ خاص کیفیت اور نیازمندی کی شان نہیں رہتی ——— تو احسان یہی ہے کہ بندہ اپنے رب کی عبادت اور بندگی اس خاص شان نیازمندی کے ساتھ بجالائے کہ گویا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم اس کے سامنے ہیں وہ ہم کو دیکھ رہا ہے، یہی مطلب ہے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ

وَالْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ۔

احسان اس کا نام ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو مگر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے

یعنی غلام آقا کے سامنے اسی لئے کام اچھا اور خوبصورت کرتا ہے کہ آقا اس کو دیکھ رہا ہے، اس لئے کام کی عمدگی میں اصل دخل آقا اور مولیٰ کے دیکھنے کو ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہیں اور ہماری ہر ہر حرکت اور سکون ان کے سامنے ہے اس لئے ہم کو عبادت کمال حسن و خوبی کے ساتھ اسی طرح ادا کرنی چاہئے جیسے کہ غلام اپنے آقا کے سامنے ہوتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کیا کرتا ہے۔ اگرچہ یہاں پر بندہ اپنے خالق و معبود کو نہیں دیکھتا مگر خالق و معبود تو دیکھتا ہے اور عبادت کی عمدگی اور حسن حکم کی خوبصورتی کا تمام تر مدار آقا اور معبود کے دیکھنے اور مطلع ہونے پر ہے جو یہاں موجود ہے عابد اور غلام کے آقا کو دیکھنے پر نہیں[1]۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں قسطلانی شرح بخاری کے حوالے سے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے "کہ بندگی اور عبادت کے تین درجے ہیں: ایک یہ کہ عبادت کے فرض کو اس طرح انجام دیا جائے کہ اس عبادت کے جتنے شرائط و ارکان ہیں ان میں سے کوئی چھوٹنے نہ پائے یہ احسان کا پہلا درجہ ہے جس کے بغیر کوئی عبادت صحیح نہیں ہو سکتی فرض سے بری الذمہ ہونے کے لئے اس درجہ کا پایا جانا ضروری ہے اس لئے ہر مکلف پر اس کا حاصل کرنا فرض ہے (یہاں حدیث میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے) دوسرا درجہ یہ ہے کہ عبادت کی ادائیگی کیلئے تمام شرائط و ارکان کی تکمیل کے ساتھ مشاہدۂ حق کی ایسی کیفیت حاصل ہو جائے کہ قلب کا گوشہ گوشہ جمال الٰہی کے انوار سے منور اور معمور ہو اور غیر کی طرف معمولی درجے میں بھی توجہ اور التفات باقی نہ رہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے۔

حدیث قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور حدیث زیر بحث میں اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ میں اسی مقام "مشاہدۂ حق" کا بیان ہے۔

تیسرا درجہ "مراقبہ" کا ہے کہ عبادت کے جملہ شرائط و ارکان کی رعایت کے ساتھ بندہ پر یہ کیفیت غالب ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہے ہیں جبکہ دوسرے درجہ کی کیفیت میں غلبہ اس کا تھا کہ گویا وہ خود اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ میں اسی مقام مراقبہ کو بیان کیا گیا ہے اور یہ اولیاء مخصوصین کا مقام ہے"

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حدیث زیر بحث میں احسان کے آخری دو درجوں کا ذکر ہے جو خواص عباد کو حاصل ہوتے ہیں، پہلے مقام مشاہدۂ حق کو بیان کیا ہے پھر اس سے مقام مراقبۂ حق کی طرف نزول فرمایا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اول تو احسان کے اس درجہ کو حاصل کر لینے کے

[1] مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے بحوالہ حاشیہ صحیح بخاری للعلامہ السندی جو بحوالہ شرح مسلم للامام النووی اسی مطلب کو ترجیح دی ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

اردو زبان کی شرعی حیثیت

ذیل میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نادر مضمون پیش خدمت ہے جو حضرت نے کسی اردو کانفرنس کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ مضمون میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ کونسی کانفرنس تھی برادر محترم جناب محمد ایوب صاحب قادری ایم۔ اے (جو برصغیر کی علمی و ادبی سرگرمیوں کی وسیع معلومات رکھتے ہیں) کا خیال ہے کہ یہ ناگپور کی اردو کانفرنس تھی جو ۴ مارچ ۱۹۳۰ء کو منعقد ہوئی۔ بہر کیف یہ مضمون مستقل افادیت کا حامل ہے، اور اٹھائیس سال پرانا ہونے کے باوجود آج بھی نیا ہے، اور اس کی اشاعت موجودہ حالات میں نہایت ضروری ——— ہم اسے ماہنامہ النور تھانہ بھون کے شعبان اور رمضان ۱۳۵۵ھ کے شماروں سے نقل کر رہے ہیں۔ ——— ادارہ

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ آجکل ہمارے ملک ہندوستان میں اردو زبان کے مسئلہ نے ایک خاص اہمیت اختیار کر لی ہے۔ چونکہ بفضلہ تعالیٰ کام کرنے والے اپنے فکر کی رسائی تک اس میں حصہ لے رہے ہیں اس کو کافی سمجھ کر اپنے لئے اسکی کسی خاص خدمت کی ضرورت ذہن میں نہیں آئی۔ اتفاق سے آج ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ کو ایک مقام سے چھپا ہوا ایک خط مع ایک اشتہار کے آیا جس سے معلوم ہوا کہ وہاں اس کے لئے ایک کانفرنس منعقد ہونے والی ہے۔ اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر کسی وجہ سے کانفرنس میں شرکت نہ ہو سکے تو کچھ مشورہ ہی دیا جاوے امر مجناہ۔ اس خط و اشتہار کو پڑھ کر قلب میں ایک حرکت پیدا ہوئی کہ اس خدمت میں کسی قسم کا حصہ لیا جاوے، چونکہ متعارف خدمتوں کی نہ صلاحیت نہ قوت اور غالباً ایک خاص خدمت کی طرف کسی نے توجہ بھی نہیں کی اور وہ خدمت اس کی تحقیق ہے کہ اس تحریک کا شرعی حیثیت سے کیا درجہ ہے اور اس کی ضرورت بھی اس لئے محسوس ہوئی کہ اس وقت اس مسئلہ نے تمدن و قومیت سے آگے بڑھ کر مذہبیت کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لئے خیال ہوا کہ اس کے متعلق ایک مختصر تحریر منضبط کر کے دفتر میں بھیجدی جاوے تاکہ اگر وہ حضرات چاہیں مجلس عام یا خاص میں پیش کر سکیں اور اگر چاہیں

شائع بھی کر سکیں۔ واللہ الهادی الی الصواب فی کل باب۔ اشرف علی

(الآیات) الاولیٰ۔ قال اللہ تعالیٰ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه الآیه۔ الثانیة قال اللہ تعالیٰ ومن آیاته خلق السموات والارض و اختلاف السنتکم والوانکم۔ الآیه۔ الثالثة الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان۔ الآیة

(الروایات الحدیثیة والفقهیة) الاولیٰ قال رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم احبوا العربیة لثلاث لانی عربی والقرآن عربی وکلام اهل الجنة عربی۔ اخرجه الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک والبیهقی فی الشعب کذا فی کنز العمال ج ۶ ص ۲۰۲

الثانیة۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا تغلبنکم الاعراب علیٰ اسم صلاتکم فانها فی کتاب اللہ العشاء وانهم یعتمون بحلاب الابل الحدیث رواه مسلم۔

الثالثة عن ابی هریرة قال کنا جلوساً عند النبی صلے اللہ علیه وسلم اذ نزلت سورة الجمعة فلما نزلت وآخرین منهم لما یلحقوا بهم۔ قالوا من هولاء یا رسول اللہ قال وفینا سلمان الفارسی قال فوضع النبی صلے اللہ علیه وسلم یده علی سلمان ثم قال لو کان الایمان عند الثریا لناله رجال من هولاء متفق علیه قال فی اللمعات والمقصود ان المراد بالذین لم یلحقوا بهم اهل العجم من التابعین لحقوا بالصحابة واکثر التابعین من اهل العجم والصحابة من العرب ولقد ظهر بسطة العلوم والاجتهاد فی التابعین ما لم یظهر فی غیرهم اهـ۔

الرابعة۔ فی الدر المختار فصل تالیف الصلوٰة کما هو لو شرع بغیر عربیة ای لسان کان وخصه البردعی بالفارسیة لمزیتها فی رد المحتار قوله البردعی الی قوله و فارس اسم قلعة نسب الیها قوم والمراد بها الفهلویة هی اشرف اللغات واشهرها بعد العربیة واقربها الیها ابو السعود ط

الخامسة: فی التوضیح حتی لو قرء آیة من القرآن بالفارسیة یجوز الی قوله لکن الاصح انه رجع عن هذا القول فی التلویح قوله بغیر العربیة اشارة الی ان الفارسیة وغیرها سواء فی ذلک الحکم وقیل الخلاف فی الفارسیة لا غیر فی الحاشیة لعبد الحکیم لمزیتها علی غیرها لقربها من العربیة فی الفصاحة الخ

آیات و روایات بالا سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔ ۱۔ تمام السنہ اپنی ذات میں قطع نظر عوارض سے نعم الٰہیہ و دلائل قدرت ہوتے ہیں اور اس بنا پر اباحت استعمال میں متساوی الاقدام ہیں۔ کما دلت علیه الآیات۔ بعض خصوصیات کی وجہ سے کہ وہ خصوصیات اسباب عادیہ سے بمنزلہ لوازم کے ہو گئی ہیں باہم السنہ میں تفاضل ثابت ہے، چنانچہ عربی زبان کی فضیلت بیان کی گئی۔ کما فی الروایة الاولیٰ۔ اور محاورات اعراب کے استعمال سے نہی فرمائی گئی خواہ وہ نہی کسی وجہ کی ہو مگر ناپسندیدگی کے مدلول ہونے میں شبہ نہیں کما فی الروایة الثانیة اور ان دونوں روایتوں میں غور کرنے سے صاف مفہوم ہے کہ فضل و مدح یا ذم و قبح کا مبنی اس لسان کا تلبس کسی فضیلت کی چیز سے یا اس کا تلبس کسی مذموم چیز سے ہے خواہ وہ چیز کوئی عین ہو یا معنی ہو۔

> اس وقت اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے، اور بنا وجود تسلط دشمن کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذہ آخرت ہوگا۔ (حضرت تھانوی رح)

عـ۳۳ بعد عربی کے فارسی زبان میں اسی تلبس مذکور کے سبب
چند وجوہ سے فضیلت ثابت ہے ایک اس کا تعلق جماعت
مقبولین سے کما فی روایۃ الثالثۃ مع الحاشیۃ الدالتین
علی کونہم مرضیین عند اللہ تعالیٰ وکونہم اہل علم واجتہاد
اور دوسری وجوہ آگے آتی ہیں۔

عـ۳۴ اسی فضیلت کی بنا پر جیسا بعض محققین نے فارسی
کی تخصیص کی تصریح کی ہے۔ امام صاحب نے ایک
وقت میں فارسی میں قرات کو جائز فرمایا تھا گو بعد میں
اس سے رجوع فرمالیا لیکن رجوع فرمانے سے بنا کا انعدام
لازم نہیں آتا کیونکہ یہ رجوع کسی معارض اقوی کے سبب ہے
نہ ضعف بنا سے تو اس معارض کی قوت ایک خاص
محل میں ظہور اثر بنا کی مانع ہوگئی نہ کہ مبطل۔ چنانچہ علاوہ
وجہ فضیلت مذکور۔ عـ۳۳ کے دوسری وجہ فضیلت
کی اس کا اشرف اللغات ہونا ہے۔ کما فی الروایۃ
الرابعۃ اور اس شرف کا مبنی قریب یہ ہو سکتا ہے کہ
عباد مقبولین نے اس کے ساتھ تکلم کیا ہے جیسا روایات
ذیل میں وارد ہے۔

الف روی البخاری فی حدیث طویل من کتاب
الجہاد فصاح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا اہل الخندق
ان جابرا قد صنع سورا الخ قال الحافظ فی الفتح عن
الاسمعیلی السور کلمۃ بالفارسیۃ اھ وقال الکرمانی
لغۃ فارسیۃ۔ ب وروی البخاری ایضا فی ہذا
الباب فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالفارسیۃ
کخ کخ الحدیث ج وروی البخاری ایضا فی باب اذا قالوا
صبانا من کتاب الجہاد وقال عمر رض اذا قال مترس
فقد امنہ د روی ابوداؤد ان ابا میمونۃ قال
بینما انا جالس مع ابی ہریرۃ جاءتہ امرأۃ فارسیۃ
الی قولہ فقالت یا ابا ہریرۃ رطنت بالفارسیۃ و
فیہ فقال ابوہریرۃ استہما علیہ ورطن لہا بذلک
الحدیث باب من احق بالولد لا و ذکر ابن تیمیۃ
فی کتابہ اقتضاء الصراط المستقیم عن ابی العالیۃ
ومحمد بن الحنفیۃ تکلمہما بالفارسیۃ اور بعض روایات
میں اس کی کراہت آئی ہے۔ حافظ نے فتح میں اس کا
جواب دیا ہے واشار المصنف ای البخاری الی
ضعف ما ورد من الاحادیث الواردۃ فی کراہۃ
الکلام بالفارسیۃ الی قولہ وسندہ واہ ایضاً
دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کراہت اس کے لئے ہے جو اسکو
عربی پر ترجیح دے۔ اور تیسری وجہ فضیلت کی اس کا
فصاحت میں عربی سے قریب ہونا ہے۔ بخلاف بعض
السنہ کے کہ ان کے کلمات میں ثقل وتنافر بکثرت ہے۔
کما فی الروایۃ الخامسۃ مع الحاشیۃ اب ان
مقدمات پر تفریع کر کے عرض کرتا ہوں کہ جس طرح فارسی
زبان کے لئے عربی زبان کے ساتھ مناسبت ہونے سے
فضیلت حاصل ہے اور چونکہ اس فضیلت کا اثر احکام
دینیہ میں بھی ظاہر ہو چکا ہے اس لئے وہ فضیلت دینیہ
ہے اسی طرح بلاشبہ عربی اور فارسی کے ساتھ ایسے
ہی قوی مناسبت ہونے سے اردو کو بھی فضیلت
دینیہ حاصل ہے بلکہ فارسی کو تو عربی سے صرف مشابہت
ہی کی مناسبت ہے اور اردو کو فارسی اور عربی سے جزئیت
کی مناسبت ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ اردو میں کثرت سے فارسی
اور عربی کے الفاظ مفردہ ہوتے ہیں کہ کسی زبان میں بھی نہیں
بلکہ اس کے بہت جملے تو ایسے ہوتے ہیں کہ بجز روابط کا
اور کی اور ہے اور نہیں کے باقی مادہ فارسی اور عربی ہی ہوتا ہے
یہ تو فضیلت کی زبانوں سے اس کا تلبس ہے۔ دوسری
فضیلت اس میں یہ ہے کہ علوم دینیہ کا مخصوص تصرف صحیح
ومقبول کا غیر محدود وغیر محصور ذخیرہ ہے جس کو علماء ومشائخ
نے صدیوں کی مشقت اور اہتمام سے جمع فرمایا ہے۔ چنانچہ
روایت رابعہ میں اشہر کہنے سے اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

خدانخواستہ یہ زبان ضائع ہوگئی تو یہ تمام ذخیرہ ضائع ہو جاوے گا بالخصوص عوام مسلمین کے لئے تو علم دین کا کوئی ذریعہ ہی نہ رہے گا کیونکہ ان کا استفادہ بوجہ عربی نہ جاننے کے اسی پر موقوف ہے۔ کیا کوئی مسلمان اس کو گوارا کرسکتا ہے اور کیا اس طرح ضائع ہوتے دیکھنا اور اس کا انسداد نہ کرنا سرعا جائز ہے۔ تیسری خصوصیت کہ اس کو بھی فضیلت میں دخل عظیم ہے اس کا سلیس اور آسان ہونا ہے اسی تیسیر کو آیات قرآنیہ میں بموقع امتنان میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ قال تعالیٰ فانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المتقین وقال تعالیٰ فانما یسرناہ بلسانک لعلھم یتذکرون۔ واشباھھما من الآیات

تفریع علی التفریع۔ اس انتاج کے بعد معلوم ہوگیا کہ اس وقت اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے اس بنا پر یہ حفاظت حسب استطاعت طاعت اور واجب ہوگی اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذۂ آخرت ہوگا۔ واللہ اعلم وھذا ما حضرنی الآن ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

(بقیہ مضمون "حدیث جبرئیل" کے بعد جو ادا فرض کے لئے لازم ہے اور جس کے بغیر بندہ فرض سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا اس کی کوشش کی جائے کہ عبادت میں مقام مشاہدۂ حق حاصل ہو اور اگر یہ دشوار ہو تو پھر مقام مراقبہ کے لئے سعی کی جائے اور اس کا استحضار قائم کیا جائے کہ ہماری اس عبادت کے وقت ۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کے سامنے ہیں چونکہ اگر کوشش اور سعی سے یہ مقام مراقبہ حاصل ہوگیا تو پھر مقام مشاہدہ کا حاصل ہونا آسان ہو جائے گا۔

تنبیہ: حدیث پاک کے اس حصہ کی تشریح اور وضاحت کے وقت اکثر حضرات نے اس طرح تقریر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا احسان کا خاص تعلق "نماز" ہی سے ہے اور اس کا مطلب بس یہ ہے کہ نماز کو پورے خشوع اور خضوع سے پڑھنا چاہئے، حالانکہ حدیث کے الفاظ میں اس تخصیص کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، حدیث پاک میں "ان تعبد اللہ" کے الفاظ ہیں اور عبادت مطلق بندگی کو کہتے ہیں نماز کی طرح دوسری عبادتیں بھی اس میں برابر شامل اور داخل ہیں۔ ایک روایت میں "ان تعبد اللہ" کے بجائے "ان تخشی اللہ" کے الفاظ آئے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہوگا۔ "کہ احسان اس کا نام ہے کہ تم خدا سے اس طرح ڈرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو ایک دوسری روایت میں اسی موقع پر یہ الفاظ ہیں۔ "الاحسان ان تعمل للہ کانک تراہ" جس کا ترجمہ یہ ہے "کہ احسان اس کا نام ہے کہ تم ہر کام اللہ کے لئے اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے۔ ان دونوں روایتوں سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ "احسان" کا تعلق صرف نماز ہی سے نہیں ہے بلکہ انسان کی پوری زندگی سے ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر عبادت اور بندگی اور اس کے ہر حکم کی اطاعت اور فرمانبرداری اس طرح کی جائے اور اس کے مواخذہ اور گرفت سے اس طرح ڈرا جائے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہے اور ہماری ہر حرکت اور سکون کو دیکھ رہا ہے۔

اسلامی ذبیحہ

ادارۂ تحقیقات اسلامی پاکستان کی افسوسناک روش

اس مضمون کی تین قسطیں رجب، شعبان اور شوال [illegible] کے شماروں میں شائع ہو چکی ہیں، اس کے بعد حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی اپنے متواتر سفروں کی بنا پر اسے مکمل نہ فرما سکے تھے، اب اس کی چوتھی قسط حاضر ہے جس میں ذبیحہ سے متعلق مفتی محمد عبدہ کے موقف پر گفتگو کی گئی ہے، مشینی ذبیحہ کی مختلف صورتوں کی تحقیق حضرت مفتی صاحب مدظلہم اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہم کے زیر نگرانی علماء کی ایک جماعت کر رہی ہے جونہی وہ کوئی فیصلہ کرے گی ان شاء اللہ اس مضمون کی آخری قسط میں اسے شائع کر دیا جائے گا ——— ادارہ

ہمارے ملک پاکستان کے متعدد اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مختلف شہروں کی میونسپل کمیٹیاں اپنے مذبح خانوں کے لئے ذبیحہ کی مشینیں یورپ سے درآمد کرنے والی ہیں اس کی ساتھ ہی ہمارے ادارہ تحقیق کے محققین نے اپنی ریسرچ وتحقیق کا رُخ اسلامی ذبیحہ کی طرف پھیر دیا۔ ان کا یہ قدم مبارک ومسعود ہوتا۔ اور ان کی کوشش وقت کی ایک ضرورت کو پورا کرتی اگر صحیح اصول سے کام لیا جاتا جس کا تقاضا یہ تھا کہ:

(۱) سب سے پہلے مشینی ذبیحہ کے جو طریقے یورپ کے مختلف شہروں میں رائج ہیں ان کی مکمل معلومات بہم پہونچا کر عام مسلمانوں خصوصاً اہل علم کے لئے غور وفکر کی راہ ہموار کرتے۔

(۲) ان میں کوئی طریقہ ذبحہ کا اسلام کے مسلمہ اصول کے مطابق موجود تھا تو اس کی تائید وحمایت کرتے۔ ملک کی میونسپل کمیٹیوں کو توجہ دلاتے کہ اگر ذبیحہ کے لئے مشینوں کا استعمال ناگزیر ہی ہے تو فلاں قسم کی مشین درآمد کریں، دوسری مشینوں سے پرہیز کریں، تاکہ بلاوجہ مسلمانوں میں خلفشار پیدا نہ ہو جیسا کہ حال میں بعض بیانات سے ثابت ہو چکا ہے کہ یورپ میں مشینی ذبیحہ کا ایک طریقہ ایسا بھی رائج اور موجود ہے جس میں مشین کا کام صرف جانور کو قابو میں کرنا ہوتا ہے پھر کوئی انسان اس کو چھری سے ذبح کرتا ہے، اس کے بعد کھال بال، ہڈی وغیرہ صاف کرنے کا سب کام مشین کرتی ہے۔

(۳) اگر بالفرض مشینی ذبیحہ کا کوئی طریقہ بھی اسلامی اصول پر پورا نہیں اترتا تھا تو ریسرچ وتحقیق کا رخ اس طرف پھیرنا چاہئے تھا کہ ماہرین سائنس کو ایسی ترمیم کی طرف توجہ دلائیں جس سے اس کا ذبیحہ اسلامی اصول کے خلاف نہ رہے، اور جو آسانیاں مشینی ذبیحہ سے مطلوب ہیں وہ باقی رہیں۔ اس سلسلے میں اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا کہ اسلامی اصول کے دائرہ میں رہکر جسقدر سہولت اور وسعت دیجا سکتی ہے، اسلامی فقہ میں غور وفکر اور اہل علم کے مشوروں کے بعد اس سہولت سے کام لیتے۔

مگر ہمارے یہ محققین یہ دردسر کہاں مول لیتے۔ انھوں نے اس کی بھی زحمت گوارا نہیں فرمائی کہ یورپ میں جو طریقے مشینی ذبیحہ کے رائج ہیں ان کی پوری تفصیلات معلوم کر کے پیش کر دیتے اس کے بعد مشینی ذبیحہ کے حلال یا حرام ہونے کی بحث چھیڑتے کہ اس پر جو بحث بھی ہوتی وہ بصیرت کے ساتھ ہوتی انھوں نے صرف یہ خدمت انجام دی کہ اب سے نصف صدی پہلے مصر کے مفتی عبدہ نے پوری امت اسلامیہ اور ائمہ اربعہ کے خلاف یورپ میں ہونے والے ذبائح کے حلال ہونے کا فتویٰ دیدیا تھا، جس پر پورے عالم اسلام میں

شور مچا، مفتی عبدہ کو عہدہ افتا سے علیحدہ کرنے کے مطالبات ہوئے۔

ہمارے ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے ڈائرکٹر صاحب نے تحقیق کا نام لیکر بعینہٖ مفتی عبدہ کا یہ فتوی اور انہیں کے دلائل عربی سے اردو میں منتقل کر دیئے ہیں جس میں حدیث و تفسیر اور فقہ کی بڑی بڑی اہم کتابوں کے حوالے موجود تھے۔ اس سے ہمارے اردو خواں طبقہ پر یہ اثر ڈالا گیا کہ ڈاکٹر صاحب وقت کے بڑے متبحر اور محقق عالم ہیں۔

اس وقت تفسیر المنار کی جلد ششم میرے سامنے ہے اس کا دل چاہے اس کتاب کو دیکھ کر ڈاکٹر صاحب موصوف کے مضمون کا اس سے موازنہ کرے اس میں کوئی مبالغہ نہ پائیگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے مسئلہ ذبیحہ کے متعلق ریسرچ و تحقیق کی ادنیٰ زحمت گوارا نہیں فرمائی صرف اتنا کیا کہ مفتی عبدہ کی تحریر کا ترجمہ اردو میں کرکے نصف صدی پہلے کے خوابیدہ فتنہ کو بیدار کیا۔ اور اپنے نزدیک پاکستان میں یورپ کے طریقہ ذبیحہ کو اس کی تفصیلات اور صورت معلوم کئے بغیر رواج دینے کا راستہ ہموار کر دیا۔

لیکن اس کا قدرتی اثر وہی ہوا جو اب سے پہلے مصر میں ہو چکا تھا کہ دینی حلقوں میں سخت اضطراب پیدا ہوا اور ملک بھر میں ایک نیا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ فالی اللہ المشتکے۔

مصر کے مفتی عبدہٗ اور ان کا فتویٰ

مفتی عبدہ کی علمی وسعت اور وسیع مطالعہ سے کسی کو انکار نہیں لیکن لغزش و خطا سے انبیاء کے سوا کوئی معصوم نہیں اور یہ بھی اسلام کا دائمی معجزہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑے عالم بھی اگر کتاب و سنت اور جمہور امت کے خلاف کسی لغزش میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ان کے علمی تبحر کا اعتراف کرتے ہوئے بھی امت ان کے فتوی کو قبول نہیں کرتی۔

مفتی عبدہ کا تو کہنا کیا ہے۔ اسلامی دنیا کے مسلم مقتدا

حضرت امام شافعیؒ نے جو ذبیحہ کے متعلق جمہور امت سے مختلف یہ رائے اختیار کی کہ کسی ذبیحہ پر قصداً بسم اللہ چھوڑ دینا اگرچہ ناجائز ہے اور ایسے ذبیحہ کا گوشت کھانا بھی مکروہ ہے مگر اس کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔ جبکہ جمہور امت اس کو نص قرآنی کی رو سے قطعی حرام کہتی ہے۔ امت اسلامیہ کے بڑے بڑے ائمہ نے امام شافعی کی جلالت شان کا اعتراف کرتے ہوئے بھی ان کے اس فتوی کو خلاف اجماع ایک اجتہادی لغزش قرار دیدیا۔ اور خود شافعی المسلک علماء میں بھی متعدد حضرات نے اس رائے کو قبول نہیں کیا۔

مفتی عبدہ کو کتنا ہی بڑا عالم کہا جائے مگر امام شافعیؒ سے ان کو کیا نسبت۔ جمہور امت نے امام شافعی کے اس قول کو اجتہادی لغزش کہنے سے گریز نہیں کیا تو مفتی عبدہ کی کھلی ہوئی لغزش کو کون قبول کرتا۔ پھر امام شافعیؒ تو اس فعل کو ناجائز اور گوشت کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور مفتی عبدہ نے اسلامی ذبیحہ کے سارے اصول اور پابندیوں کو یکسر ختم کر کے یورپین ذبیحہ کو مطلقاً حلال ٹھیرا دیا۔ جو امام شافعیؒ کے مسلک کے بھی خلاف ہے۔ اس لئے علماء امت نے مفتی عبدہ کے اس فتوے کو قرآن و سنت کے نصوص اور ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے خلاف قرار دیا۔ اور اسلامی دنیا کے ہر علاقہ سے اس کی تردید میں مضامین لکھے گئے۔

مفتی عبدہ کے شاگرد علامہ رشید رضا مصری مصر کے اہل قلم صحافی اور ذی علم ہیں انھوں نے اپنے استاد کی حمایت میں مضامین لکھے اور اپنے سیاسی اقتدار اور خاص کوششوں کے ذریعہ کچھ علماء کی موافقت بھی حاصل کر لی اس طرح یہ فتنہ مصر میں دب گیا۔ مگر کسی فتنہ کا دب جانا اور چیز ہے اور فتوے کا مانا جانا دوسری چیز۔ اس زمانہ کے اخبارات و رسائل دیکھے جائیں تو یہ حقیقت کسی پر مخفی نہیں رہ سکتی کہ پوری دنیا کے علماء نے مفتی عبدہ کے اس فتوی کو غلط ناقابل اعتبار قرار دیا تھا۔

سنت کی واضح دلائل کیساتھ پہلے لکھے جاچکے ہیں اس
کے بعد میں مفتی عبدہ کے فتوئی اور رشید رضا صاحب کی
طویل بحث کی تفصیلی تردید میں اپنے قارئین کو الجھانے کے
بجائے صرف اتنا کافی سمجھتا ہوں کہ ذبیحہ کے مسئلے میں مفتی عبدہ
اور رشید رضا صاحب کی اصلی رائے کو واضح الفاظ میں پیش
کردوں جو طویل بحثوں کی بھول بھلیاں میں پڑکر نظروں سے اوجھل
ہوگئی ہے وہ مسلمانوں کے سامنے واضح ہوکر آجائے تو وہ اپنی
تردید آپ ہی کردے گی۔ کیونکہ اس کا قرآن وسنت کی نصوص
اور ائمہ فقہاء کی اجماعی تحقیق کے مخالف ہونا اتنا واضح ہے
کہ ہر لکھا پڑھا مسلمان اس کی مخالفت کو محسوس کرسکتا ہے۔

ذبیحہ کے متعلق مفتی عبدہ کی انوکھی تحقیق !

اسلام کے قرن اول سے لیکر آج تک ہر طبقے اور ہر
فرقے کے مسلمان اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ معاشرتی امور میں سے
نکاح وطلاق کی طرح ذبیحہ بھی ایک خالص مذہبی چیز ہے جو
قرآن وسنت کے مقرر کردہ اصول وشرائط کے بغیر حلال
نہیں ہوتا، اسی لئے اس پر بسم اللہ پڑھنا اور ذبح کرنے والے
کا مسلمان یا اہل کتاب میں سے ہونا نص قرآنی میں شرط قرار دیا
ہے جو خالص مذہبی چیز ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث میں اسلامی ذبیحہ کو ان شعائر
میں شمار فرمایا ہے جن سے مسلمان کا مسلمان ہونا پہچانا جاتا ہے
حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل
ذبیحتنا فذلک المسلم الذی لہ ذمۃ
اللہ ورسولہ (صحیح بخاری باب استقبال القبلہ)

(ترجمہ) جس نے ہماری جیسی نماز پڑھی، اور ہمارے
قبلہ کی طرف نماز میں رُخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا وُہ
ہی مسلمان ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری
میں ہے۔

اس میں جس طرح نماز نماز، اسلامی قبلہ کو مسلمان کی
علامت قرار دیا ہے اسی طرح اسلامی ذبیحہ کو اسلام کا شعار
اور علامت بتلایا ہے۔

ایک حدیث میں مجوسی کفار کے متعلق ارشاد فرمایا کہ انکے
ساتھ وہ ہی معاملہ کیا جائے جو اہل کتاب کے ساتھ کیا جاتا ہے
صرف دو چیزوں کا فرق ہے وہ یہ کہ

غیر ناکحی نسائھم ولا آکلی ذبیحتھم

(ترجمہ) یعنی نہ تو ان کی عورتوں سے مسلمان کا نکاح
جائز ہے نہ ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔

اس حدیث میں یہ بات اور واضح ہوگئی کہ نکاح اگرچہ
انسانی عادات اور معاشرتی امور میں سے ہے لیکن اسلام نے
اس پر بھی کچھ مذہبی پابندیاں عائد کی ہیں جن کے بغیر شرعاً
نکاح نہیں ہوتا، اسی طرح ذبیحہ بھی ایسے ہی امور عادیہ میں سے
ہونے کے باوجود اس پر ایسا پابندیاں ہیں جن کے بغیر ذبیحہ
حلال نہیں ہوتا، اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کو ہر طبقے اور
ہر فرقے کے مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے اور ضروریات میں داخل سمجھتا
ہے، اس پر کچھ دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

قرآن کریم میں جانوروں کے حلال کرنے کے لئے تین لفظ
آئے ہیں۔ ذکوٰۃ، ذبح، نحر

ذکوٰۃ لفظ مشترک ہے جو ذبح، نحر کو بھی شامل ہے اور
غیر اختیاری ذکوٰۃ کی ان تمام صورتوں کو بھی جن سے شرعاً جانور
حلال ہوجاتا ہے سب کو شامل ہے اور باتفاق امت ذکوٰۃ
قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ جیسے صلوٰۃ اور صوم۔ جس
طرح صلوٰۃ اور صوم کا مفہوم شرعی وہی معتبر ہے جو قرآن کی
دوسری آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے
ثابت ہے، محض لغوی مفہوم مراد لینا تحریف قرآن ہے۔

اسی طرح لفظ ذکوٰۃ بھی خالص اصطلاحی لفظ ہے جس کی دو قسمیں
اختیاری اور غیر اختیاری قرآن میں مذکور ہیں اور دونوں کے
احکام الگ الگ مذکور ہیں، حضرات محدثین وفقہاء نے ذکوٰۃ

اختیاری کو ذبائح کے عنوان سے اور غیر اختیاری کو صید کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ مگر دونوں کے لئے از روئے قرآن و سنت کچھ ارکان و شرائط ہیں جن کی تفصیل پہلے لکھی جا چکی ہے۔

مگر مفتی عبدہ صاحب نے قرآن کے اس اصطلاحی لفظ کو بھی تمام فقہاء و مفسرین کے خلاف ایک نئے معنی پہنائے جس کا خلاصہ ان کی تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذکوۃ کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ کسی جانور کو کھانے کی نیت سے بالقصد مارا جائے۔ مارنے کی صورت کچھ بھی ہو۔ انھوں نے ذکوۃ کو اختیاری کو بھی قرآن و سنت کی تصریحات کے خلاف غیر اختیاری ذکوۃ یعنی شکار پر قیاس کر کے ایک کر ڈالا ہے اور اختیاری ذکوۃ میں جو باتفاق امت حلقوم کی رگوں کا کاٹنا شرط ہے انھوں نے اس کا بھی انکار کر دیا۔ وہ تو یہاں تک پہونچے ہوئے ہیں کہ جانور کو بجلی کے کرنٹ کے ذریعہ ماردیا جائے تو وہ بھی حلال ہے۔ اور حلال ہی نہیں بلکہ افضل و مستحسن بھی ہے۔ تفسیر المنار ص ۱۴۴ جلد ۶ میں یہ سب تفصیل موجود ہے۔ اس کا ایک جملہ یہ ہے۔

وانی لاعتقد ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم لو اطلع علی طریقۃ للتذکیہ اسھل علی الحیوان ولا ضرر فیھا کالتذکیہ بالکھربائیہ ان صح ھذا الوصف فیھا لفضلھا علی الذبح (منار ص ۱۴۴ ج ۶)

اور میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تزکیہ کا کوئی ایسا طریقہ معلوم ہوتا جو جانوروں کے لئے سہولت کا اور بے ضرر ہو جیسا بجلی کے کرنٹ سے مارنے کا تزکیہ ہے۔ اگر یہ وصف اس میں صحیح ہو تو آپ اس طریقہ کو اسلامی ذبح کے طریقے سے افضل قرار دیتے۔

اس میں بجلی کے کرنٹ سے مارنے کو بھی تزکیہ کہا گیا ہے اور یہ کتنی بڑی جرأت ہے کہ اپنے اس کج قیاس اور غلط نظریے کے متعلق یہ بھی دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوتی تو اسلامی ذبح کے طریقے کو چھوڑ کر اسی کو افضل قرار دیدیتے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کے اسی اجتہاد کا تکملہ یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک جانور کو گلا گھونٹ کر بالقصد مار دیا جائے تو وہ بھی حلال ہے اور اس میں آیت قرآنی کی صریح مخالفت کا جواب منخنقہ اور موقوذہ کی بحث کا مغالطہ پیش کر کے دیا ہے جو تمام صحابہ و تابعین اور جمہور امت کے خلاف ہے۔ (تفسیر المنار ص ۱۳۰ ج ۶)

مفتی عبدہ نے ذبیحہ پر اللہ کا نام لینے کی ضرورت کا پہلے ہی انکار کر دیا تھا۔ حلقوم کی رگیں کاٹنے کی ضرورت کا بھی انکار صاف آگیا۔ گلا گھونٹ کر بالقصد مارے ہوئے جانور بھی حلال ہو گئے۔ تو اب ان کی تحقیق کی رو سے حرام صرف وہ جانور رہ گیا جو اپنی موت مر گیا ہو یا کسی انسان کے قصد اختیار کے بغیر کسی ٹکر سے یا اونچی جگہ سے گر کر یا خود بخود گلا گھٹ مر گیا ہو اور جس کو کسی انسان نے کھانے کی نیت سے بالقصد مارا ہو وہ سب حلال ہے، کوئی مارے کسی طرح مارے اللہ کا نام لے یا نہ لے، ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کافر حلقوم کی رگیں کاٹے یا نہ کاٹے۔ خصوصاً اہل کتاب کے معاملے میں تو ان کی یہ تحقیق کہ طعام اہل کتاب بغیر کسی قید و شرط کے سب جائز ہے خواہ اہل کتاب نے گلا مروڑ کر مارا ہو یا جھٹکے سے قتل کیا ہو یا اور کسی صورت سے۔

(تفسیر منار ص ۲۰۰ ج ۶)

صرف اتنی عنایت اسلام اور مسلمانوں پر فرما دی کہ طعام اہل کتاب عام ہے تو اس میں تو خنزیر بھی داخل تھا اس کو حلال نہیں کیا۔ اگرچہ ان کی تفسیر کا اصل مقتضا یہی تھا کہ طعام اہل کتاب عام ہے تو اس میں خنزیر بھی داخل ہو۔

اس کے بعد واضح لفظوں میں یہ بھی کہدیا کہ جانور کا گوشت کھانا امور طبیعہ عادیہ میں سے ہے مذہب و حکمت سے اس کا

کوئی تعلق نہیں۔ شرعی پابندیاں صرف عبادات میں ہوا کرتی ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

وامور العادات فی الاکل واللباس لیست مما یتعبد اللہ الناس تعبدا بما قرارھم علیہ وانما تکون احکام العبادۃ بنص الشارع (منار ص ۱۴۵ ج ۲)

اور کھانا اور لباس وغیرہ جو عادات میں سے ہیں ان چیزوں میں سے نہیں ہیں، جن کے ذریعہ اللہ کی عبادت کی جاتی ہے، نصوص شریعت کی پابندی تو صرف عبادات میں ہوتی ہے۔

مفتی عبدہ کے اس اجتہاد کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ کھانے پینے، پہننے برتنے کی چیزوں میں حلال و حرام کی بحث ہی فضول ہے، اگر یہی اجتہاد ہے تو نکاح طلاق بھی امور عادیہ طبعیہ میں سے ہیں ان میں بھی حلال و حرام کی بحث لغو اور شرعی پابندیاں غلط ہوں گی۔

اس دور آزادی اور دین بیزاری کے لئے اس سے اچھا نسخہ کیا ہو سکتا ہے۔ اسی لئے مغرب زدہ نوجوانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیا۔

مگر افسوس ہے کہ ہمارے ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے ڈائریکٹر بھی ابھی تک ترقی کی اس معراج پر نہیں پہونچ سکے۔ اسی لئے مفتی عبدہ کا فتویٰ بھی پورا نقل نہیں فرمایا۔ اور جس شخص نے کہیں کسی اسلامی معاشرے میں تربیت پائی ہے وہ کبھی اس کو قبول نہ کر سکے گا، اس لئے یہاں اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ واللہ الہادی الی سواء السبیل

مشینی ذبیحہ

اسلامی ذبیحہ کے ارکان، شرائط اور متعلقہ احکام قرآن وسنت کے دلائل اور ائمہ مجتہدین کی تحقیقات کیساتھ مفصل بیان کر دینے کے بعد دراصل مشینی ذبیحہ کا کوئی مستقل مسئلہ نہیں رہ جاتا۔ بلکہ وہ ایک واقعاتی سوال ہے کہ مشینی ذبیحہ میں اسلامی ذبیحہ کے ارکان و شرائط پورے ہو جاتے ہیں یا نہیں۔

پہلی صورت میں مشین کا ذبیحہ حلال اور دوسری صورت میں حرام ہونا متعین ہے۔ اور جب مسئلہ واقعاتی ہے تو اس کے جواب سے پہلے ضروری ہے کہ واقعہ اور صورت حال کی تحقیقات کر لی جائے کہ مشینوں کے ذریعہ ذبح کرنیکا طریقہ کیا ہے۔

اب تک مشینی ذبیحہ کے جواز یا عدم جواز کی جو بحثیں رسائل اور اخبارات میں آتی رہی ہیں وہ صحیح صورت واقعہ کی تحقیق سے پہلے محض مفروضہ صورتوں سے متعلق رہی ہیں مجھ سے بھی یہ سوال کیا گیا تو سائل کی بیان کردہ صورت مفروضہ پر اس کا جواب لکھا گیا جس میں یہ فرض کیا گیا تھا کہ بہت سے جانوروں کو مشین کے نیچے کھڑا کر کے بیک وقت سب کی گردن مشین کی چھری سے جدا کر دی جاتی ہے مولانا مفتی محمود صاحب نے بعض فقہی اور فنی وجوہ کی بنیاد پر میرے اس جواب سے اختلاف کیا۔ میرا جواب اور مفتی صاحب موصوف کا اختلاف دونوں کراچی کے ماہنامہ بینات میں شائع ہو گئے۔

یہ بھی جماعت اہل حق ہی کا امتیاز ہے جس پر ہمیں شکر کرنا چاہئے کہ ایک ہی مکتب فکر کے علماء باہم دوستانہ تعلقات کے باوجود دینی مسائل میں اختلاف رائے کا اظہار کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ ایسے مسائل میں جو قرآن وسنت میں منصوص نہیں۔ اور فقہاء کے کلام میں بھی ان کی تصریح نہیں۔ سیدی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کا طریقہ یہ تھا کہ اکثر تو ایسے مسائل میں فتوے دینے سے پہلے ہی دوسرے علماء سے مشورہ لیکر کچھ لکھا جاتا تھا اور کبھی شخصی رائے سے لکھ دیا گیا تو اس میں یہ ہدایت ہوتی تھی کہ یہ مسئلہ میں کہیں

تصریح نہیں، بلکہ قواعد کی رو سے لکھا ہے اس لئے احتیاط یہ ہے کہ دوسرے علماء سے بھی رجوع کر لیا جائے۔ اور وہ کوئی اختلاف کریں تو ہمیں بھی اس کی اطلاع کر دی جائے۔ تاکہ اس پر مکرر غور و فکر کیا جا سکے۔ اور ایسے مسائل کے حل کرنے کا بھی وہ طریقہ ہے جو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمایا ہے۔

حدیث کی مشہور کتاب مجمع الزوائد میں ہیثمی نے بسند صحیح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

قلت یارسول اللہ ان نزل بنا امر لیس فیہ بیان امر ولا نہی فما تأمرنی قال تشاوروا

رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون من اہل الصحیح

(مجمع الزوائد ص ۱۷۸ ج ۱ طبع دہلی)

حضرت علی رض فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ہمیں کوئی مسئلہ پیش آئے جس کی قرآن وسنت میں کوئی تصریح امر یا نہی کی نہیں تو ایسے مسئلہ کے لئے مجھے آپ کیا ہدایت فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقہاء، عابدین سے مشورہ کر کے فیصلہ کرو (اس میں کسی شخصی رائے کو نافذ نہ کرو)۔

اس میں فقہاء کی ساتھ عابدین کی قید اس وضاحت کے لئے لگا دی گئی ہے کہ درحقیقت اسلام کی نظر میں فقہاء وہی ہیں جو عبادت گذار تقویٰ شعار ہوں۔ محض کتابوں کی عبارتیں یاد کر لینے سے کوئی فقیہ نہیں بن جاتا۔

اسی سنت کے مطابق احقر کی عادت ہمیشہ سے یہی ہے کہ ایسے مسائل میں اول تو شخصی رائے سے کوئی فتوے دیتا نہیں اور کبھی کسی ضرورت سے لکھا گیا تو دوسرے علماء کی موافقت و مخالفت کا انتظار رہتا ہے، مخالفت معلوم ہو تو اہل فتوے علماء کے مشورہ اور بحث و تمحیص کے بعد پھر کوئی رائے قائم کرتا ہوں۔ اس معاملے میں بھی ایک مجلس علماء میں بحث ہوئی اور ارادہ یہ تھا کہ کسی وقت مولانا مفتی محمود صاحب کی معیت میں اس پر بحث کر کے آخری فیصلہ کیا جائے۔

لیکن اسی عرصہ میں کچھ دیکھنے والوں کے بیانات و کچھ اخباری مقالات سے یہ معلوم ہوا کہ مشینوں کے ذریعہ ذبح کرنے کا کوئی ایک معین طریقہ نہیں، مختلف ملکوں اور شہروں میں مختلف صورتیں رائج ہیں جن میں ایک صورت وہ بھی جسکو اسلامی ذبیحہ ہی کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں مشین کا کام صرف جانور کو قابو کرنے کا ہوتا ہے، اور ذبح کوئی انسان اپنی چھری سے کرتا ہے، پھر کھال، بال، ہڈی وغیرہ صاف کرنے کا سب کام مشین کرتی ہے۔

ان حالات میں کسی مفروضہ صورت میں بحث و اختلاف اور غور و فکر کے بجائے یہ مناسب معلوم ہوا کہ پہلے مشینی ذبیحہ کی رائج صورتوں کو صحیح طور سے معلوم کیا جائے پھر ان کے احکام کو اہل فتویٰ علماء کے باہمی مشورہ سے متعین کیا جائے۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ اس مقالہ کی آخری قسط میں لکھا جائے گا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

محمد تقی عثمانی

عیسائیت کا بانی کون ہے؟

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رح کی شہرۂ آفاق تالیف "اظہار الحق" کی شرح و تحقیق کے طفیل گذشتہ چار سالوں میں عیسائیت میرے مطالعہ کا خاص موضوع رہی ہے، اس مطالعے کے چند اہم نتائج احقر نے "اظہار الحق" کے مقدمے میں پیش کئے ہیں جو انشاء اللہ علیحدہ کتابی شکل میں بھی شائع ہوگا، یہ مقدمہ تقریباً سوا دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور زیر نظر مقالہ اسی کا ایک اقتباس ہے۔ یہ بحث عیسائیت کے معاملے میں ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے امید ہے کہ اس مسئلے پر اہمیت کے ساتھ غور کیا جائیگا۔ —— م۔ ت۔ ع

عیسائی حضرات کا دعویٰ ہے کہ "عیسائی مذہب" کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی تھی، اور انہی کی تعلیمات پر آج کا عیسائی مذہب قائم ہے، لیکن ہماری تحقیق کا نتیجہ اس کے بالکل خلاف ہے، یہ تو درست ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں مبعوث ہو کر انہیں ایک نئے مذہب کی تعلیم دی تھی، لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی تعلیم دی تھی وہ ان کے بعد کچھ ہی عرصے میں ختم ہو گیا اور اس کی جگہ ایک ایسے مذہب نے لے لی جس کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور ارشادات کے بالکل خلاف تھیں، اور یہی نیا مذہب ارتقار کے مختلف مراحل کو گذرتا ہوا آج "عیسائیت" کی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ ہم پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ عیسائی مذہب کے اصل بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں۔ بلکہ پولس ہے جس کے چودہ خطوط بائبل میں شامل ہیں۔

پولس کا تعارف

ہم اپنے اس دعوے کے دلائل اور اپنی تحقیق کے نکات بیان کرنے سے پہلے پولس کا تعارف کرا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

پولس کی ابتدائی زندگی کے حالات تقریباً تاریکی میں ہیں، البتہ کتاب اعمال اور اس کے خطوط سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدا میں قبیلۂ بنیامین کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا اور اس کا اصلی نام ساؤل ہے۔ فلپیوں کے نام خط میں وہ اپنے بارے میں خود لکھتا ہے:

> آٹھویں دن میرا ختنہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور بنیمین کے قبیلہ کا ہوں، عبرانیوں کا عبرانی الخ

کے اعتبار سے فریسی ہوں" (فلپیوں ۳:۵)

یہ روم کے شہر ترسس کا باشندہ تھا (جیسا کہ اعمال ۲۲:۳ سے ظاہر ہوتا ہے) اس کی ابتدائی زندگی کے ان مجمل اشاروں کے بعد اس کا سب سے پہلا تذکرہ ہمیں کتاب اعمال ۷:۵۸ میں ملتا ہے جہاں اس کا نام "ساؤل" ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد کتاب اعمال کے تین ابواب میں اس کا کردار اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور ان پر ایمان لانے والوں کا سخت دشمن تھا، اور شب و روز انہیں تکلیفیں پہنچانے اور ان کی بیخ کنی میں مصروف، لیکن پھر اچانک اس نے یہ دعویٰ کیا کہ:

"میں نے بھی سمجھا تھا کہ یسوع ناصری کے نام کی طرح طرح سے مخالفت کرنا مجھ پر فرض ہے چنانچہ میں نے یروشلم میں ایسا ہی کیا۔ اور سردار کاہنوں کی طرف سے اختیار پا کر بہت سے مقدسوں کو قید میں ڈالا اور جب وہ قتل کئے جاتے تھے تو میں بھی یہی رائے دیتا تھا، اور ہر عبادت خانے میں انہیں سزا دلا دلا کر زبردستی ان سے کفر کہلواتا تھا بلکہ ان کی مخالفت میں ایسا دیوانہ بنا کہ غیر شہروں میں بھی جا کر انہیں ستاتا تھا، اسی حال میں سردار کاہنوں سے اختیار اور پروانے لیکر دمشق کو جاتا تھا تو اے بادشاہ![1] میں نے دوپہر کے وقت راہ میں یہ دیکھا کہ سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے میرے اور میرے ہم سفروں کے گرداگرد آ چمکا، جب ہم سب زمین پر گر پڑے تو میں نے عبرانی زبان میں یہ آواز سنی کہ اے ساؤل! اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ پینے کی آر پر لات مارنا تیرے لئے مشکل ہے؟ میں نے کہا اے خداوند! تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا: میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے لیکن اٹھ! اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کیونکہ میں اس لئے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لئے تو نے مجھے دیکھا ہے اور ان کا بھی جن کی گواہی کے لئے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں گا اور میں تجھے اس امت اور غیر قوموں سے بچاتا رہوں گا جن کے پاس تجھے اس لئے بھیجتا ہوں کہ تو ان کی آنکھیں کھول دے تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خدا کی طرف رجوع لائیں اور مجھ پر ایمان لانے کے باعث گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں" (اعمال ۲۶: ۹ تا ۱۸)

پولس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس واقعے کے بعد سے میں "خداوند یسوع مسیح" پر ایمان لا چکا ہوں، اور اس کے بعد اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر کے "پولس" رکھ لیا تھا، شروع میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی شخص اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ جو شخص کل تک حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگردوں کا جانی دشمن تھا، آج وہ سچے دل کے ساتھ ان پر ایمان لے آیا ہے، لیکن ایک جلیل القدر حواری برنباس نے سب سے پہلے اس کی تصدیق کی اور ان کی تصدیق پر دوسرے حواری بھی مطمئن ہو گئے۔ کتاب اعمال میں ہے:

"اس (پولس) نے یروشلم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لیجا کر ان سے بیان کیا کہ اس نے اس طرح سے راہ میں خداوند کو دیکھا اور اس نے اس سے باتیں کیں اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی، پس وہ یروشلم میں ان کے ساتھ آتا جاتا رہا اور دلیری کے ساتھ خداوند کے نام کی منادی کرتا تھا اور یونانی مائل یہودیوں کے ساتھ گفتگو اور بحث بھی

[1] یہ پولس کی اس تقریر کا اقتباس ہے جو اس نے اگرپا بادشاہ کے سامنے کی تھی

کرتا تھا مگر وہ اُسے مار ڈالنے کے درپے تھے، اور بھائیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو اسے قیصریہ میں لے گئے اور ترسُس کو روانہ کر دیا" (اعمال ۹: ۲۶ تا ۳۰)

اس کے بعد پولُس حواریوں کے ساتھ مل جُل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا، اور اسے عیسائی مذہب کا سب سے بڑا پیشوا مانا گیا۔

ہماری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بانی یہی شخص ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عقائد کی ہرگز تعلیم نہ دی تھی۔

۱۔ حضرت عیسیٰؑ اور پولُس

ہماری یہ تحقیق بہت سے دلائل و شواہد پر مبنی ہے ہم یہاں سب سے پہلے یہ دکھلائیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پولُس کی تعلیمات میں کتنا اختلاف اور کس قدر کھلا تضاد ہے؟

پچھلے باب میں ہم عیسائی علماء کے مستند حوالوں کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب کی بنیاد تثلیث، حلول و تجسم اور کفارے کے عقیدوں پر ہے، یہی وہ عقیدے ہیں جن سے سرِمُو اختلاف کرنے والوں کو عیسائی علماء اپنی برادری سے خارج اور ملحد وکافر قرار دیتے آئے ہیں، اور درحقیقت انہی عقائد کی بنیاد پر موجودہ عیسائی مذہب دوسرے مذاہب سے امتیاز رکھتا ہے لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ان تینوں عقیدوں میں سے کوئی ایک عقیدہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ارشاد سے ثابت نہیں ہے، موجودہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو ارشادات منقول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس سے واضح طریقے پر یہ عقائد ثابت ہوئے ہوں، اور اس کے برعکس ایسے اقوال کی تعداد بے شمار ہے جن میں ان عقائد کے خلاف باتیں کہی گئی ہیں۔

تثلیث اور حلول کا عقیدہ

سب سے پہلے تثلیث کے عقیدے کو لیجئے، "تین ایک اور ایک تین" کے اس معمے کو اگر درست اور مدارِ نجات تسلیم کر لیا جائے تو اس سے کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ یہ عقیدہ انتہائی پیچیدہ، مبہم اور گنجلک ہے اور انسانی عقل خود سے اس کا ادراک نہیں کر سکتی، تا وقتیکہ وحی کے ذریعہ اس کی وضاحت نہ کی جائے، کیا اس کی پیچیدگی کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عقیدے کو خوب کھول کھول کر لوگوں کو سمجھاتے اور واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے اگر یہ عقیدہ انسانی عقل کے ادراک کے لائق تھا تو کیا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرض نہ تھا کہ وہ اس کے اطمینان بخش دلائل لوگوں کے سامنے بیان کرتے تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں؟ اور اگر اس عقیدے کی حقیقت انسانی سمجھ سے ماوراء تھی تو کم از کم انہیں اتنا تو کہہ دینا چاہئے تھا کہ یہ عقیدہ تمہاری سمجھ سے باہر ہے، اس لئے تم اس کے دلائل پر غور کئے بغیر اسے مان لو۔

پروفیسر مارس ریلٹن نے (جو عیسائی مذہب کے رجعت پسند علماء میں سے ہیں) "خدا" کے بارے میں کتنی اچھی بات لکھی ہے کہ:

> اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماوراء ہے، وہ فی نفسہٖ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں! صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوعِ انسان کو وحی کے ذریعہ بتلائیں[1]"

اس سے صاف واضح ہے کہ خدا کے وجود کی جن تفصیلات پر ایمان رکھنا انسان کے ذمّے ضروری ہے، ان کو خدا وحی کے ذریعہ بنی نوعِ انسان تک ضرور پہنچاتا ہے ——— اگر "تثلیث" کا نظریہ بھی انہی تفصیلات میں سے تھا تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ضروری نہ تھا کہ وہ اسے لوگوں کے سامنے بیان فرماتے؟

لیکن جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات پر نظر

[1] H. Maurice Relton,
Studies in Christian Doctrine P. 3

ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس عقیدے کو انھوں نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی بیان نہیں کیا، اس کے برعکس وہ عقیدۂ توحید کے عقیدے کی تعلیم دیتے رہے۔ اور کبھی یہ نہیں کہا کہ خدا تین اقانیم سے مرکب ہے اور یہ تین مل کر ایک ہیں[1]" خدا کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیشمار ارشادات میں سے دو اقوال ہم یہاں نقل کرتے ہیں، انجیل مرقس اور متّی میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اے اسرائیل! سُن! خداوند ہمارا ایک خدا ہے خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔"

(مرقس ۱۲:۲۹ و متی ۲۲:۳۷)

اور انجیل یوحنا میں ہے کہ حضرت مسیحؑ نے اللہ سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد و برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے، جانیں" (یوحنا ۱۷:۳)

اس کے علاوہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ میں درحقیقت خدا ہوں اور تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کے لئے انسانی روپ میں حلول کرکے آگیا ہوں، اس کے بجائے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو "ابن آدم" کے لقب سے یاد کرتے رہے انجیل میں ساٹھ جگہ آپ نے اپنے آپ کو "ابن آدم" فرمایا ہے۔

اب کچھ عرصے سے عیسائی دنیا میں یہ احساس بہت شدت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو خدا نہیں کہا، بلکہ یہ عقیدہ بعد کے زمانے کی پیداوار ہے اس سلسلے میں سینکڑوں عیسائی علماء کے حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں مگر ہم یہاں صرف ایک اقتباس ذکر کرتے ہیں جس سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حق بات کو "مقدس نظریات" کے غلاف میں کتنا ہی چھپایا جائے، لیکن وہ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر رہتی ہے،

پروفیسر ہارنیک (Harnack) بیسویں صدی کی ابتدا میں برلن (جرمنی) کے مشہور مفکر گذرے ہیں، عیسائیت پر ان کی کئی کتابیں یورپ اور امریکہ میں بڑی مقبولیت کے ساتھ پڑھی گئی ہیں، وہ عقلیت پسند Rationalist گروہ سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان کا تعلق اہل تجدد (Modernist) کے گروہ سے ہے۔ اور عیسائی مذہب کی جو تعبیر ان کی نگاہ میں درست ہے، اس پر ان کا ایمان محکم اور مضبوط ہے، انھوں نے ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء میں عیسائیت کے اوپر کچھ تقریریں کی تھیں وہ تقریریں جرمنی زبان میں (Das Wesen des Christentums) کے نام سے شائع ہوئی تھیں

بعد میں ان کا انگریزی ترجمہ "What is Christianity?" کے نام سے شائع ہوا، ان تقریروں نے جرمنی، انگلینڈ اور امریکہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی اور اب یہ لیکچر ایسی تاریخی اہمیت اختیار کر چکے ہیں کہ عصر جدید کی عیسائیت کا کوئی مورخ ان کا ذکر کئے بغیر نہیں گذرتا۔

انھوں نے ان تقریروں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے اسے ہم انھیں کے الفاظ میں یہاں نقل کر رہے ہیں۔

"قبل اس کے کہ ہم یہ دیکھیں کہ خود یسوع مسیح کا اپنے بارے میں کیا خیال تھا؟ دو بنیادی نکتوں

[1] عیسائی حضرات عقیدۂ تثلیث پر ان اقوال سے استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو "باپ" اور اپنے آپ کو "بیٹا" کہا ہے، لیکن درحقیقت یہ اسرائیلی محاورہ ہے بائبل میں بیشمار مقامات پر حضرت مسیحؑ کے سوا دوسرے انسانوں کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے (مثلاً دیکھئے لوقا باب ۳ و زبور ۸۹:۲۶ و یرمیاہ ۳۱:۹ و یسعیاہ ۶۳:۱۶ و ایوب ۳۸:۷ و پیدائش ۶:۲ وغیرہ) اس لئے صرف ان الفاظ سے استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے اظہار الحق باب سوم فصل دوم)

پبلشر:

کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی خواہش کبھی یہ نہیں تھی کہ ان کی شخصیت کے بارے میں اس سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھا جائے کہ ان کے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ چوتھی انجیل کا مصنف، جو بظاہر یسوع مسیح کو اصل انجیل کے تقاضوں سے زیادہ بلند مقام دینے پر مُصر نظر آتا ہے، اس کی انجیل میں بھی یہ نظریہ واضح طریقے سے ملتا ہے۔ اس نے (حضرت) مسیح کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ: "اگر تمہیں مجھ سے محبت ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو۔"[۱] غالباً (حضرت) مسیح نے یہ دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ ان کی عزت کرتے بلکہ ان پر بھروسہ رکھتے ہیں، لیکن کبھی ان کے پیغام پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی تکلیف گوارا کرنا پسند نہیں کرتے ایسے ہی لوگوں کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا تھا کہ "جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے۔"[۲]

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انجیل کے اصل تضمنات سے الگ ہو کر (حضرت) مسیح کے بارے میں کوئی عقیدہ بنا لینا خود ان کے نظریات کے دائرے سے بالکل باہر تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ (حضرت) مسیح نے آسمان اور زمین کے خداوند کو اپنا خداوند اور اپنا باپ ظاہر کیا، نیز یہ کہا کہ وہی خالق ہے، اور وہی تنہا نیک ہے۔ وہ یقینی طور پر یہ بھی مانتے تھے کہ ان کے پاس جو چیز بھی ہے، اور جس چیز کی تکمیل وہ کرتے کو ہیں وہ سب باپ کی طرف سے آئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خدا سے دعائیں کرتے تھے، اپنے آپ کو اس کی مرضی کے تابع رکھتے تھے، وہ خدا کی مرضی کو معلوم کر کے اس پر عمل کرنے کے لئے سخت سے سخت مشقتیں برداشت کرتے تھے، مقصد، طاقت، فہم، فیصلہ اور سختیاں سب ان کے نزدیک خدا کی طرف سے آتی ہیں۔"

یہ ہیں وہ حقائق جو انجیلیں ہمیں بتلاتی ہیں اور ان حقائق کو توڑ مروڑا نہیں جا سکتا۔ یہ ایک شخص جو اپنے دل میں احساسات رکھتا ہے، جو دعائیں کرتا ہے، جو جدوجہد و عمل کی راہ پر گامزن رہ کر مشقتیں جھیلتا ہے اور مصیبتیں برداشت کرتا ہے یقیناً ایک انسان ہے جو اپنے آپ کو خدا کے سامنے بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ ملا جلا رکھتا ہے۔[۱]

یہ دو حقیقتیں اس زمین کی حدود کو ظاہر کرتی ہیں جو اپنے بارے میں محمود حضرت مسیح کی شہادت سے ڈھکی ہوئی ہے یہ درست ہے کہ ان حقیقتوں سے ہمیں اس بات کی کوئی مثبت اطلاع نہیں ملتی کہ حضرت

---

[۱] غالباً یہ انجیل یوحنا کی اس عبارت کی طرف اشارہ ہو "جس کے پاس میرے حکم ہیں اور وہ ان پر عمل کرتا ہے وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے" (یوحنا ۱۴:۲۱)

[۲] یہ متّی [illegible] کی عبارت ہے، (متّی)

---

[۱] "This is what Gospels say, and it cannot be turned and twisted. This feeling, praying, working, struggling and suffering individual is a man who in the fa God also associates himself with other men."

("What is Christianity" PP. 129 180)

مسیح نے کیا کہا، لیکن اپنے بارے میں انھوں نے جو دو لفظ استعمال کئے ہیں، ایک خدا کا بیٹا اور ایک مسیح (یعنی داؤد کا بیٹا اور آدم کا بیٹا) اگر ہم ان دو الفاظ کو قریب سے دیکھیں تو ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان لفظوں سے (حضرت) مسیح کی مراد کیا تھی؟ . . . . . . آیئے ہم پہلے یہ دیکھیں کہ "ابن اللہ" کے منصب کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ حضرت مسیح نے اپنے ایک ارشاد میں اس بات کو خود واضح کر دیا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو یہ لقب کیوں دیا۔ یہ ارشاد متی کی انجیل میں موجود ہے (اور جیسے کہ توقع ہو سکتی تھی انجیل یوحنا میں نہیں ہے) اور وہ یہ کہ "کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوا باپ کے اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوا بیٹے کے اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے۔"

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو اپنے "خدا کا بیٹا" ہونے کا جو احساس تھا وہ اس بات کے عملی نتیجے کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ خدا کو "باپ" اور "اپنے باپ" ہونے کی حیثیت سے جانتے تھے، لہٰذا اگر "بیٹے" کے لفظ کو صحیح سمجھا جائے تو اس کا مطلب خدا کی معرفت کے سوا کچھ نہیں ہے، البتہ یہاں دو چیزوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ پہلی یہ کہ (حضرت) مسیح اس بات کے قائل ہیں کہ وہ خدا کو اس طریقے سے جانتے ہیں کہ ان سے قبل کوئی نہیں جانتا تھا . . . . .

. . . . اس معنی میں (حضرت) مسیح اپنے آپ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے[۱]"

آگے چند صفحوں کے بعد ڈاکٹر ہارنیک لکھتے ہیں:

"جس انجیل کی تبلیغ (حضرت) مسیح نے کی تھی اس کا تعلق صرف باپ سے ہے بیٹے سے نہیں، یہ کوئی تضاد کی بات نہیں اور نہ یہ کوئی "عقلیت پسندی" ہے بلکہ یہ ان حقائق کا سادہ سا اظہار ہے جو انجیل کے مصنفین نے بیان کئے ہیں[۲]۔"

پھر چار صفحوں کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"انجیل ہمارے سامنے اس زندۂ جاوید خدا کا تصور پیش کرتی ہے، یہاں بھی صرف اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسی خدا کو مانا جائے اور تنہا اسی کی مرضی کی پیروی کی جائے، یہی وہ چیز ہے جو (حضرت) مسیح کا مطلب اور مقصد تھی[۳]۔"

ڈاکٹر ہارنیک کے ان طویل اقتباسات کو پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جب بھی غیر جانبداری اور دیانت داری کے ساتھ انجیلوں کا جائزہ لیا گیا ہو، دیانت نے ہمیشہ یہ فیصلہ دیا ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بارے میں ایک "خدا کا بندہ اور پیغمبر" ہونے کے سوا کوئی اور بات نہیں کہی ان کا کوئی ارشاد آج کی انجیلوں میں بھی ایسا نہیں ملتا جس سے ان کا خدا ہونا یا خدا کا کوئی "اقنوم" ہونا ثابت ہوتا ہو۔

۱، ۲، ۳
Harnack, *What is Christianity* PP. 128, 131
trans. by Thomas Bailey Sounder,
New York 1912.

قرآن حکیم کی تعلیمات

ڈاکٹر صغیر حسن معصومی
ادارۂ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد

اس دور میں جبکہ نزول قرآن پر چودہ صدیاں گذر چکی ہیں اور قرآنی احکام کے افہام و تفہیم کے لئے جلسے اور کانفرنسیں پاکستان و دیگر ممالک میں منعقد کی گئی ہیں۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور مبلغ اسلام کی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے زیادہ سے زیادہ بیان کیا جائے تاکہ ان کے دماغ میں تعلیمات گھر کرتی جائیں اور ہر وقت اثر کرتی رہیں۔ میں آپ کے سامنے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا جو درحقیقت قرآن حکیم کی تعلیمات ہیں مجمل خاکہ پیش کرنا چاہتا ہوں، تاکہ وقت کے تقاضے کے مطابق آپ پر بار خاطر نہ ہو۔

ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں اسلام کے معنی ہیں ایک اللہ کے سامنے سر جھکانا، توحید کا اعتقاد، خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستاری، ایک خدا کا اعتقاد[1] تقریباً ہر مذہب کی تعلیم ہے، اس بارے میں اسلام کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں، البتہ اور مذاہب میں ایک خدا کے اعتقاد کے ساتھ اپنے من کے موافق گڑھی ہوئی صورتوں اور بتوں کو اپنے اپنے خدا کا مظہر بنا لیا گیا ہے۔ ایسے خیالی اور مادی خدائی طاقتوں کے مظاہر کو اسلام میں بڑی سختی سے باطل قرار دیا گیا ہے، یوں تو اس تعلیم کے پرچار کرنے والے سارے انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات ہوئے ہیں مگر اس کی تکمیل اور ہمہ گیر تعلیم آقائے نامدار رسول پروردگار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ اسلام کی تبلیغ ابتدائے آفرینش سے سب انبیاء کرام کرتے رہے، البتہ ان کے تبلیغی کارنامے، مخصوص قوموں زبانوں، نیز جگہوں کے حدود میں محدود رہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سارے عالم کے لئے ہوئی، دنیا کی ساری اقوام کے لئے اور خود آپؐ کے زمانے اور آپؐ کے بعد سارے زمانے کے لئے۔ اس لئے آپؐ کی تعلیمات بھی ہمہ گیر ہیں اور تقریباً چودہ صدیوں کے گذر جانے پر بھی تقویم پارینہ نہیں کہے جا سکتے۔ آج کیا ہمیشہ کے لئے یہ اہم اور مفید ہیں۔ اور ہر طرح کی ترقی، فلاح اور بہبود کے حصول کے لئے ہوں گی۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات درحقیقت خدائی تعلیمات ہیں جن کو قرآن پاک کے روپ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر نازل کیا۔ ہمارے اعتقاد میں قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو ہماری زندگی کے لئے ایک دستور عمل ہے۔ اسلام صرف ایک اعتقادی مذہب نہیں، عملی مذہب ہے اور دین و دنیا دونوں جگہوں میں ترقی اور سعادت حاصل کرنے کے طریقے

---

[1] یعنی دعویٰ بیشتر مذاہب یہی کرتے ہیں کہ ہم خدا کو ایک مانتے ہیں گو درحقیقت وہ مشرک ہوں۔ — مدیر

سکتا ہے، اس کے قوانین اور شروط قرآن پاک میں مدون و
مرتب ہیں جن کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو سکھایا
اور ان کے مطابق عمل کرکے دکھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ میرے بعد تمہارے لئے راہنمائی کو یہ کتاب اور میری عترت کافی
ہے۔ کتاب قرآن حکیم ہے جس کو ہر انسان اگر سمجھنا چاہے تو خود پڑھ
سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے، یہ کسی خاص گروہ اور افراد کا وظیفہ نہیں۔
اور عترت سے مراد ان کے اصحاب اور پیروکار ہیں جنہوں نے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سیکھا اور قرآن پاک کے احکام پر عمل
کرنے کے طریقے سیکھے یہ کتاب اور یہ طریقے انہیں کی وساطت سے
ہم لوگوں تک نسلاً بعد نسلٍ چودہ سو برسوں سے گذرتے ہوئے
پہنچے ہیں۔ امتداد زمانہ کی وجہ سے آج ہم ان احکام کی اصل روح
کو کھو بیٹھے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج ہم مسلمان ساری دنیا میں پستی و
خواری کے شکار ہیں۔ چودہ سو برس پیشتر اسی خدائی کتاب قرآن
پاک کے مطابق چلنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے
ہوئے طریقوں پر عمل کرنے کی بدولت مسلمانوں نے محض چالیس
سال کے مختصر عرصہ میں اپنی کمی تعداد اور کم مائیگی کے باوجود
دنیا کی بڑی طاقتوں، روم اور ایران کی سلطنتوں کو اپنے
زیرنگیں کرلیا اور پھر جلد ہی سارے عالم پر چھاگئے۔ اور تقریباً
دس گیارہ صدیوں تک دوسری قوموں کے راہنما بنے رہے
تو کیا آج جبکہ ہم تین چار ہزار ملین نفوس کی تعداد رکھتے ہیں دوسری
اقوام عالم سے آگے نہیں بڑھ سکتے، اگر اب تک نہ بڑھ سکے تو کیوں؟
اس کی وجہ تو صرف یہی نظر آتی ہے کہ جب ہم قرآنی احکام کے
سچے پیروکار تھے تو ہمیں ترقی حاصل ہوئی اور جبکہ ہم تیرہ صدیوں
کے اندازہ پھر قرآنی احکام سے دور جا پڑے تو ترقی سے بھی دور
جا پڑے۔

کسی دین کے اصول و شرائط ہمیشہ بنیادی ہوتے ہیں
ان کے ساتھ کچھ فروع تو ضم ہو سکتے ہیں مگر کسی اصول یا شرائط
میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ایسا کرنا اس دین و مذہب کی بیخ کنی
کے مرادف ہے۔ اس طرح ہم قرآن حکیم یا پیغمبر اسلام کے بتائے
ہوئے اصول و شرائط میں کوئی تغیر و تبدل کا حق نہیں رکھتے ان
بنیادی احکام و شرائط کو ہاتھ لگانے کے معنی ہیں کہ وہ دین اسلام
نہ رہے بلکہ کوئی دوسرا دین و مذہب بن جائے۔ آیئے دیکھیں؟
دینی اور اسلامی بنیادی تعلیمات کیا ہیں جن کی وساطت سے مسلمان
مسلمان بنے اور اقوام عالم کے صدیوں تک رہنما اور دنیا کے
صدر نشین رہے۔

قرآن حکیم کی تعلیمات اور احکام کا خلاصہ مجمل طور پر پانچ
عنوانوں کے ماتحت بیان کیا جا سکتا ہے، یہ وہ احکام ہیں جن پر
عمل پیرا ہونے کی ضرورت بتائی گئی ہے۔ ایسے تو اور بھی بہت
سی تعلیمات ہیں جن کا تعلق اعتقاد و تاریخ سے ہے اور جن کی تفصیل
کسی دوسرے وقت میں کی جائے گی۔

(۱) سب سے پہلے ہم قرآن پاک کے عبادات کے احکام کا
ذکر کرتے ہیں، ان احکام کے بجا لانے سے بندہ اور خالق کے درمیان
رشتے کا ثبوت ملتا ہے، اور یہ رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہو جاتا
ہے، خود ان احکام کے مختلف انواع ہیں، ایک تو وہ احکام جو
جسمانی و روحانی سمجھے جاتے ہیں جیسے نماز کا حکم اور روزے کا حکم
ان کا تعلق بندہ اور خدا کے مابین لگاؤ، اور رشتہ پر موقوف ہے
کیونکہ ان عبادتوں سے افراد خود اپنے لئے فائدے حاصل
کرتے ہیں۔ دوسرے افراد کو ان عبادات سے کوئی براہ راست
نفع نہیں ہوتا۔ البتہ کچھ اور شرائط ان عبادات سے تعلق رکھتی
ہیں جیسے نماز کے لئے طہارت و پاکی، جماعت اور مخصوص اوقات
جن کا تعلق دوسرے افراد سے بھی ہے۔ اور اس لئے سماجی یکجہتی
اخلاقی برتری وغیرہ کا حصول ان سے ہوتا ہے، جن کی تفصیل کا
یہ وقت نہیں ہے۔

افسوس یہ ہے کہ آج ہم ان احکام خداوندی کی پرواہ
نہیں کرتے معدودے چند غریب و نادار نماز اور روزے کر لیتے
ہیں ورنہ خال ہی خال بڑے لوگ یا ماڈرن تعلیم یافتہ حضرات
ان کی پرواہ کرتے ہیں اور جب اصل حکم کی پرواہ نہیں تو شرائط
کی کون پرواہ کرے؟ غرض عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ نہ

پاکی کا خیال ہے نہ ناپاکی سے پرہیز، نہ ستر پوشی کا خیال نہ ان عبادات کا خیال، کہلانے کو مسلمان ہیں، طہارت کا انہیں مطلق خیال نہیں ہوتا، جاہل عوام اور بازاری قسم کے لوگوں کو کیا بدنام کریں کہ ان کو نہ تو علم حاصل ہے اور نہ تہذیب میسر، پھر بھی وہ کچھ بہتر ہیں کہ بڑے بوڑھوں کے کہنے سے اصلاح قبول کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اب تو تہذیب نو کی یہ ہوا چلنے لگی ہے کہ حالت جنابت سے بھی پاکی حاصل کرنے اور غسل کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ عبث خیال کرنے لگے ہیں۔

ستر پوشی دوسرا اہم چیز ہے، جس کا تعلق اخلاق سے بھی ہے، عام طور پر اسلام کا یہ حکم سمجھا جاتا ہے کہ مرد کی "عورت" یعنی جسم کے جس حصے کو چھپانا فرض ہے وہ زیر ناف سے زانو تک ہے، اور عورت کی "عورت" سر سے پیر تک سارا بدن ہے جس سے صرف چہرہ دونوں ہاتھ پہنچوں تک اور دونوں پیر ٹخنوں تک مستثنیٰ ہیں۔ اس عام حکم کے خلاف یہ بات رائج ہے کہ مرد تو بُشر سوٹ پینٹ کے فیشن کی وجہ سے جبری طور پر اسلامی حکم کو بجا لاتے ہیں۔ مگر صنف نازک کی یہ کوشش ہے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے اپنے بدن کا مظاہرہ کرے، جماعت و اوقات کا کیا ذکر! چونکہ اٹینشن (توجہ) تنظیم، ڈسپلن وغیرہ کے متعلق جو قرآنی احکام ہیں وہ نماز کی عبادت میں شامل ہیں اس لئے یہ سب مضحکہ خیز سمجھے جاتے ہیں۔ اور عین جمعہ کی نماز کے وقت اپنے ٹیسٹ میچ شروع کرتے ہیں کہ کامیابی حاصل ہو اور اس مساوات کو از منہ وسطیٰ کی محض فرسودہ بات سمجھتے ہیں جس کا ذکر علامہ اقبال مرحوم نے اس طرح کیا ہے:۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اسی طرح بھوکوں سے ہمدردی کا خیال نہیں کیونکر ہو سکتا ہے! جب کہ ہم روزے کے حکم سے منہ موڑتے ہیں، یہ یونانی اطباء کی اصل باتیں سمجھی جاتی ہیں کہ سال میں جسم کا تنقیہ ایک بار ضروری ہے اور سال میں ایک ماہ کے روزوں سے سارے اعضاء کی اچھی طرح صفائی ہو جاتی ہے، جسم کے ہر زود کا میل دور ہو جاتا ہے، یہاں تو یہ خوف مسلط ہے کہ اس بھوک نے سے بدن کمزور اور دبلا ہو جاتا ہے۔

(۲) انہیں عباداتی احکام کی دوسری قسم وہ احکام ہیں جن کا تعلق افراد کے مال و دولت سے ہے یعنی زکوٰۃ اور صدقات کے احکام، صدقات تو خیر اپنے اختیار پر ہیں، مگر صاحب استطاعت اور صاحب نصاب کے لئے مال کی زکوٰۃ نکالنا فرض گردانا گیا ہے جس کا نصاب چالیسواں حصہ ہے اور تفصیل سب حضرات کو معلوم ہے۔ زکوٰۃ کے نکالنے سے غرض یہ ہے کہ نا تجربہ کار اور غریب و نادار یتیم و مسکین بیوہ اور مسافر وغیرہ، مفلوک الحال کو مالی امداد حاصل ہو جائے، اور مال و دولت کا اجتماع چند ہاتھوں تک محدود نہ رہ جائے۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا گیا کہ زکوٰۃ دینے والا لینے والے پر احسان نہ جتلائے۔ ورنہ اس کا خرچ کرنا رائیگاں ہو جائیگا اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ خدائی دَین احسان جتلانے والے کے ذمہ رہ جائے گا۔ اس طرح زکوٰۃ لینے والا اسلام میں ذلیل و خوار نہیں سمجھا جاتا اس لئے اس کو اپنے سے نیچے نہ سمجھنا چاہیے۔ نہ لینے والے کو زیر بار احسان ہونے کا خیال ہونا چاہیے۔

انہیں عباداتی احکام کی تیسری قسم وہ احکام ہیں جن کا تعلق افراد کی جان، جسم اور مال تینوں سے ہے جیسے حج اور نذر و کفارہ کی ادائیگی۔ اس خاص طریقہ عبادت یعنی حج کی ادائیگی سے عبد اور معبود کے رشتے کے قوی ہونے کے علاوہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے نمائندے ایک جگہ آپس میں ملتے ہیں، اس طرح بین الاقوامی میل و محبت اور یگانگت کا حصول بھی مقصود ہے۔ نئی تہذیب کے علمبردار ورلڈ کانفرنس کی توصیف و تعریف کریں گے۔ صدیوں کے پرانے حج کو کیونکر سراہیں گے کہ یہ بھی از منہ وسطیٰ یعنی میڈیول پیریڈ (MEDIEVAL PERIOD) کا طریقہ ہے جو رائج ہے۔

(۲) قرآنی احکام کے دوسرے عنوان کے ماتحت ہم ان احکام کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کا تعلق خود افراد سے

ان احکام کا اثر افراد کے آپس کے معاملات پر پڑتا ہے اور ان کا تعلق روزمرہ کی زندگی سے ہے، ان احکام کی بنیاد خلوص، محبت، انصاف اور ایثار پر ہے۔ ان میں شادی، بیاہ۔ خرید و فروخت۔ لین دین۔ قرض۔ رہن۔ ترکہ وغیرہ سارے معاملات کے احکام جو انسان کو پیدائش سے لیکر وفات تک اپنے معاشرہ میں پیش آتے ہیں شامل ہیں، ان احکام کی بجا آوری سے قوم کی طاقت بڑھتی ہے اور اس کی تنظیم پھلتی پھولتی ہے اور ان سے ایک معاشرے کے سارے افراد کے شہری حقوق کی نگہداشت مقصود ہے۔

(۳) تیسرے عنوان کے تحت وہ سارے قرآنی احکام آجاتے ہیں جن کا تعلق قوم اور حکومت کے رشتے سے ہے اور جو حاکم کے حقوق کو رعایا پر اور رعایا کے حقوق کو حاکم پر بیان کردیتے ہیں، یعنی وہ سارے احکام جن کا تعلق صلاح و مشورہ، مساوات و انصاف، رواداری نیز رعایا کی اطاعت حاکموں کے حکموں کی پابندی اور ان سارے امور سے ہے جن کو آج قانون سازی کے دستور العمل سے تعبیر کرتے ہیں

(۴) چوتھے عنوان میں وہ سارے قرآنی احکام ہیں جن کو انسانی زندگی اور حرمت و عزت نیز لوگوں کے مال و دولت کی حفاظت کے لئے فرض کیا گیا ہے اور جو قصاص وحدود یا عقوبات کے نام سے مشہور ہیں، یعنی قتل، چوری زنا، تہمت، جھوٹے الزام لگانے، غصب، رشوت لینے دینے اور جوا کھیلنے کی سزائیں جن کے متعلق قرآن پاک میں صریح احکام موجود ہیں اور جن کو صدیوں سے ہم بھلا بیٹھے ہیں۔ ان قرآنی احکام کو ناقابل عمل سمجھ کر ہم ہر طرح کے ظلم کے شکار ہوتے رہتے ہیں۔ قتل کی وارداتیں، چوری، ڈاکہ زنی، زنا رشوت، چور بازاری اغوا وغیرہ جرائم برابر ہوتے رہتے ہیں ماڈرن طرز حکومت کے قوانین ان کا سدباب نہیں کرسکے کم از کم اسلامی احکام کے نافذ کرنے کی وجہ سے آج جزیرہ عرب یعنی سعودی عربیہ کی حکومت کے قلمرو میں چوری، ڈاکہ زنی اور اغوا کے

وارداتیں بالکل بند ہیں اور ہم چوروں اور ڈاکوؤں پر رحم کھا کر خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ ماڈرن تہذیب عدل و انصاف کے نام سے بے گناہوں کو سزا اور جرائم پیشہ کو رہا کردیتی ہے برٹش طریقے کی عدالتیں جن میں جج دین اسلام کے مطابق نہیں بلکہ برٹش قوانین کے مطابق مقدمات کی تحقیق اور فیصلے کرتے ہیں پیشہ ور وکیلوں سے بھری پڑی ہیں، جن کی علمیت اور دانشمندی اپنے اپنے موکلوں کے بچانے میں صرف ہوتی ہے، اکثر و بیشتر مقدمات میں مجرم رہا اور بے گناہ سزا پاتا ہے۔ بعض بڑے بڑے جج جو انصاف و عدل کی کرسیوں پر جلوہ فگن ہوتے ہیں رشوت کی بڑی رقموں کی لالچ میں انصاف و عدل کے نام سے بے انصافی سے گریز نہیں کرتے۔ اور ہم عہد اسلامی کے بعض قاضیوں پر پھبتی اڑاتے ہیں اور خود اپنے زمانے کو نہیں دیکھتے کہ اتنے علم اتنی ترقی اور ایسی تہذیب کے باوجود اس بداخلاقی اور کمزوری کا ثبوت دیتے ہیں جس کا ہم مضحکہ اڑاتے ہیں۔

(۵) پانچویں عنوان کے ماتحت وہ قرآنی احکام ہیں جن کا تعلق مسلمانوں اور غیر مسلموں کے معاملات سے ہے۔ یعنی جہاد اور جنگ کے قوانین حالت امن میں اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومتوں کے تعلقات، جن کو آج ہم بین الاقوامی امور سے تعبیر کرتے ہیں۔ جہاد لغوی معنوں میں کوشش کو کہتے ہیں لیکن عام طور پر جہاد کے معنی مذہبی جنگ سمجھتے ہیں۔ جہاد کی تعبیر غلط فہمی پیدا کرتی ہے اصل میں کوشش کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ انسان اپنی اپنی قوم اپنے خیال اور اپنے دین کی حفاظت کرے۔ کمزور ہوتے ہوئے دل سے کسی غیر دینی بات کو برا سمجھنا بھی جہاد ہے۔ ہاتھ اور مال سے کوشش کو جہاد کہنا بعد کی بات ہے، اس طرح زبان و قلم سے بھی جہاد ممکن ہے۔

یہ ہیں قرآنی احکام جن کا مختصر خاکہ میں نے آپ لوگوں کے سامنے پانچ عنوانوں کے تحت پیش کیا ہے تاکہ مجموعی طور پر ضروری احکام ہمارے سامنے آجائیں، اور غور کرسکیں کہ کتنے کی پیروی ہم کرتے ہیں اور کتنے احکام کی خلاف ورزی کرتے

ام ہیں جن کے مطابق عمل کرنے کی دعوت قرآن پاک دیتا
اور جن کی پیروی کے بغیر ہم مسلمان نہیں کہلا سکتے یہ سارے
م قوانین فطرت کے مطابق ہی نہیں، بلکہ خود قوانین فطرت
ین کو ہم بھلا بیٹھے ہیں۔ ایمان تو صرف قلبی اعتقاد کا نام
، اس اعتقاد کا اظہار عمل سے ہو سکتا ہے اور اعتقاد کے
ابق کام کرنے کو اسلام کہتے ہیں غرض انھیں احکام پر چلنے
جب سے مسلمان از منہ وسطیٰ میں حکمران بنے اور دنیا کے راہنما
ے جب سے یہ ایمانی طاقت مسلمانوں سے رخصت ہوگئی
سلمانوں نے ان احکام پر چلنا چھوڑ دیا تو آہستہ آہستہ
ی طاقت بھی رخصت ہوگئی اور پستی کے شکار ہوگئے۔
رآنی احکام کسی حال میں بدلے نہیں جا سکتے، ان کے
تھ بائی لاز (BYLAWS) اضافہ کئے جا سکتے ہیں
یسل کی حدود میں ہمیں اجازت ہے کہ ہم اپنی عقل اور سمجھ
کام لیں، مگر ان بنیادی احکام میں سے کسی حکم کو گھٹا بڑھا
ں سکتے۔ کیونکہ اسلام نام ہے انھیں احکام کے مجموعہ کا
وسرے الفاظ میں قرآن ماننے کا کوئی حکم اگر سخت یا
ناقابل عمل معلوم ہو تو یہ قصور ہماری سمجھ کا ہے، قرآن پاک
صور نہیں، آہستہ آہستہ علم کی زیادتی اور سائنس کی ترقی
ے بہت سے قرآنی احکام اور الفاظ زیادہ سے زیادہ کھلے
ے پر ہماری سمجھ میں آنے لگے ہیں مثلاً ہمیں رب العلمین (ساری
یا یا عالموں کا پالنے والا) کا مفہوم معلوم تھا، مگر سائنس کے
بات سے مشاہدہ ہو گیا کہ بہت سے عالم موجود ہیں، بہت
ے افلاک یعنی پلینٹز (PLANETS) ہیں۔ پہلے ہم
موں کی تعبیر دوسری طرح کرتے تھے۔ اور ایک نوع کو ایک
ے عالم قرار دیتے تھے۔ آج ان کے معنی اور ظاہر ہوگئے۔
ہ یہ واضح ہے کہ علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کے معانی
رواضح ہوتے چلے گئے ہیں اس لئے پروردگار نے ہمیں تعلیم دی ہے
دعا کرتے رہو۔ "رب زدنی علماً" (اے میرے پروردگار میرے علم کو
ہ کہ انسان جتنا زیادہ علم حاصل کرتا ہے اس کو اتنا ہی اپنی کم علمی کا یقین

ہو جاتا ہے۔

ان سارے قرآنی احکام کا دار و مدار خدا کے خوف پر ہے جب تک انسان کو اللہ کا ڈر حاصل نہ ہوگا وہ اپنے اعمال و اخلاق کو درست نہیں کر سکتا بلکہ دنیا کے رنگین تماشوں کا شکار ہوتا جائیگا اس ڈر کے بغیر انسان کبھی اپنے اخلاق کو بلند نہیں کر سکتا۔ خلوص و ایثار محبت و شفقت اخوت و مساوات، ہمدردی اور مروت کبھی کسی میں نہیں پائی جا سکتی جب تک کہ اس میں خدا کا ڈر نہ ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" (تم میں سب سے زیادہ شرافت اور بزرگی والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے) وجہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا کبھی کسی کی برائی نہ چاہے گا، نہ رشوت لے گا، نہ چوربازاری، چوری، زنا، غیبت، حسد، ظلم اور ناانصافی میں مبتلا ہوگا۔ خوف خدا ہی انسان کو ہر قسم کی لالچ اور ناروا جنسی میلان و رغبت اور ہر طرح کی برائیوں سے بچا سکتا ہے، اس لئے حضور روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تم عبادت میں کھڑے ہو تو یہ یقین رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے آگے کھڑے ہو اور اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اگر ایسی حالت طاری نہ ہو تو اتنا ضرور یقین رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے آگے کھڑے ہو اور اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے، جب کسی کو یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے تو انسانیت سے دور ہے کہ وہ انسان اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے اور اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق درست نہ کرلے۔ اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو توفیق عطا کرے کہ اس سے ڈریں اور اس کے احکام کی پیروی کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

دعا رات

ملّا واحدی

اللہ تعالےٰ کی اپنی شان تو یہ ہے کہ جب (کسی کام کو کرنا چاہتا ہے یا) کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو فرماتا ہو ہو جا، بس وہ ہو جاتی ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (سورۃ ۳۶ آیت ۸۲) لیکن انسانی کاموں میں اس نے دوسرا طریقہ رکھا ہے، انسانوں کو احکام اور قوانین اور ضابطوں، قاعدوں کی پابندی کرا کر پھل دیتا ہے۔ پہلے بوؤ اور پسینہ بہاؤ، پھر ایک ایک دانے کے ہزار ہزار دانے لیلو۔ اُسے قدرت ہے کہ بغیر بوئے فصل اگا دے، مگر ایسا کرتا نہیں، بلکہ قوانین زراعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو فصل کو جلا ڈالتا ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اَلسَّعْيُ مِنَّا وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰهِ۔ ہمارا فرض ہے کہ جد و جہد کریں۔ جد و جہد کو بار آور اللہ کرے گا۔ ہمیں جد و جہد کرنی چاہیے اور اس کے بار آور ہونے کو اللہ پر چھوڑنا چاہیے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی تمنائیں سعی و عمل کے بغیر نتیجہ نہیں دکھاتیں۔ تدبیر کیجئے اور تدبیر کرنے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (سورہ ۵۳ آیت ۳۹) نہیں واسطے آدمی کے مگر جو کچھ سعی کی ہے۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (سورہ ۴۰، آیت ۶۰) تمہارے رب نے کہا، تم مجھ سے

دعائیں مانگو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ مگر ا
اَلَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُ
جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (سورۃ ۴۰ آیت ۶۰) مگر جو لوگ
ہیں اور میرے احکام کی تعمیل نہیں کرتے (اور میرے قوا
کی پابندی سے سرتابی برتتے ہیں۔ انھیں احکام نہ ملے
قوانین پر نہ چلنے کی سزا بھگتنی پڑے گی) وہ عنقریب
وخوار (اور ناکام) ہو کر جہنم میں جا گریں گے۔ یہ تو کافروں
ہے کہ اللہ کے احکام اور قوانین کی خلاف ورزی کئے جا
ہیں اور امید باندھتے ہیں کہ اللہ انھیں سرسبز کرے گا۔
وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (سورہ ۴۰ آیت

دعا کے ساتھ تدبیر ضروری ہے اور تدبیر کے ساتھ
ضروری ہے۔ تدبیر یہی ہے کہ اللہ کے احکام اور قوانین او
اور قاعدوں سے سرکشی نہ کی جائے۔

اگر تدبیر کرنے کے باوجود دعا قبول نہ ہو تو سمجھیے کہ ا
اور قوانین اور ضابطوں، قاعدوں کی تعمیل میں کہیں جھو
ہے، یا پھر اللہ تعالےٰ ہمیں کوئی نعمت اس سے بہتر عطا
والا ہے۔ اللہ کسی صحیح اور اچھے عمل کو ضائع نہیں کیا کرتا۔ ا
ارشاد ہے۔ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (سورۃ ۱۲ آیت

———: : :———

پبلیشر: مفتی محمد ...

کتنی عجیب اور افسوس ناک بات ہے کہ مذہب پرست
روحانیت دوست ممالک ہندوستان و پاکستان میں
فیصد اور کچھ فی صد انسانوں کی جیسی خراب حالت ہے ویسی
ہب اور غیر روحانی ملکوں میں مویشیوں کی نہیں ہے۔
پ، امریکہ، اور روس وغیرہ کے جانور ہندوستان پاکستان
انسانوں سے بڑھ کر صاف ستھرے، تندرست اور
ند ہیں۔ وہاں جانور لاوارث نہیں پھرتے، یہاں انسان
ث پھرتے ہیں اور وہاں جانور کی پرستش ہے، یہاں
ن نے انسان کو بھلا دیا ہے۔

ہندوستان کی بڑی آبادی گائے کی پجاری ہے
و ہونے کے لئے خدا کا ماننا لازمی نہیں ہے۔ گائے کا ماننا
ہے، لیکن اس اپنے معبود کو ہندو رکھتے کہاں ہیں؟ مکان
ں گوشہ میں ہندوؤں کی یہ ماتا رہتی ہے؟ مکان کے ایسے
ے میں جہاں روشنی اور ہوا کا گذر نہیں ہوتا۔ جہاں اُسے دق
جاتی ہے۔

لامذہب اور غیر روحانی ملک جانوروں کا کام مشینوں
لیتے ہیں، مذہبی اور روحانی ممالک میں آپ نے جانوروں
م انسانوں سے لیتے اور انسانوں کو انسانوں کا گھوڑا بنتے
ہو گا۔

انسان کی غلاظت انسان ہندوستان کے کس شہر میں
اٹھاتا، ذرا ملاحظہ کیجئے۔

ساون کا مہینہ ہے، سب باران رحمت سے لطف
ز ہو رہے ہیں، مگر ایک انسان بالکل ہمارے ہی جیسا انسان
مرد صورت نہیں، عورت صورت بھی سامنے سے جا رہا ہے
ے سر پر بڑا سا ٹوکرا ہے۔ اس ٹوکرے میں کھاد نہیں ہے
نہیں ہے، جانوروں کی غلاظت نہیں ہے۔ انسانوں کی
لت ہے، اور وہ غلاظت بارش سے بہہ بہہ کر اس کے منہ
ہی ہے۔

انگریزوں نے ہمیں جو چند چیزیں اچھی دے گئے ہیں ان میں فلش سسٹم
بڑی اچھی چیز ہے، لیکن ہم نے اس کی بھی مٹی پلید کر ڈالی ہے۔

پاکستان قائم ہونے سے پہلے دلی میونسپل کمیٹی کا کوئی
ممبر کراچی آنکلا تھا تو دلی واپس جا کر یہاں کی صفائی ستھرائی کے
پل باندھ دیتا تھا، اور دلی میونسپل کمیٹی کے محکمہ حفظان صحت
کو خوب جھاڑتا تھا۔ میں اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کراچی پہنچا تو میں نے
بھی یہاں واقعی صفائی ستھرائی کے آثار پائے۔ لیکن اب
کیفیت کیا ہے؟ میں کراچی شہر کے اور منہ میں نہیں، کراچی
سے سات آٹھ میل باہر اس جگہ بیٹھا ہوں جو قدرتی ہوا کے
اعتبار سے کراچی کی بہترین جگہ ہے۔ مگر اتنا انتظام نہیں ہے
کہ گٹر صاف رہیں اور غلاظت ان میں سے نہ اُبلے اور ہمیں کہنا
نہ پڑے کہ اس فلش سسٹم سے تو ڈرائی سسٹم بہتر تھا۔

ہم غالباً ابھی یہ بھی نہیں جانتے کہ ہسپتالوں سے
زیادہ حفظان صحت کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ حفظان صحت
کی طرف توجہ کرنے سے ہسپتالوں کا خرچ گھٹتا ہے اور لوگ
بیماریوں کی تکلیف سے بچ جاتے ہیں۔ بیماری میں مبتلا کر کے
علاج کرانا ہرگز قابل تعریف نہیں۔

فطرت کو خرد کے رو برو کر
تسخیر مقام رنگ و بو کر

تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر

باوا آدم اور اماں حوا کی اولاد بڑھتے بڑھتے
کرۂ ارض کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور ایک دوسرے
کو بیگانہ تصور کر بیٹھی۔

اللہ تعالےٰ ان سب کا خالق اور پرورش کنندہ ہے
وہ شروع سے انبیاء کی معرفت انہیں سمجھاتا رہا ہے کہ تم آدم
اور حوا کے پوتے پر پوتے ہو۔ آپس میں بھائیوں کی طرح
مل جل کر رہو، ایک دوسرے کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھو
ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ۔ ایک دوسرے کا خون پیچو

قابیل کی تقلید نہ کرو، خاتم الانبیاء کی نسبت تو یہاں تک کہہ دیا گیا کہ یہ کسی خاص گروہ کے ہادی نہیں ہیں، یہ دنیا کی کل قوموں کے ہادی ہیں، اور قرآن دنیا کی ہر قوم کی ہدایت کے لئے ہے اور تا قیام قیامت ہر قوم کی ہدایت کے لئے ہے۔ ہندوستان کا شودر بھی اسے سنے گا تو اس کے کان سیسہ بھر کر بہرے نہیں کئے جائیں گے۔ اسلام کا کام خالق و مخلوق کا رشتہ جوڑنے کے علاوہ آپس کے رشتوں کو جوڑنا ہے۔ اسلام نوع انسانی کے اتحاد کا علمبردار ہے۔

خاتم الانبیاء اور قرآن کریم کے نام لیوا کچھ عرصہ سے دنیا کی امامت اور قیادت کے اہل نہیں لیکن اللہ، جو رب العالمین ہے اور رحمن و رحیم ہے اپنا منشا دوسروں کے ہاتھ سے پورا کرا رہا ہے۔ ریلوں، پانی کے جہازوں اور ہوائی جہازوں نے زمین کی طنابیں کھینچ دی ہیں۔ اور ریڈیو اور ٹیلیویژن نے دور دور کے بچھڑے ہوؤں کو آمنے سا
لا بٹھایا ہے۔ اگرچہ ابھی زمین کی طنابیں کھینچنے ا
بچھڑے ہوؤں کے آمنے سامنے بیٹھنے سے فائد
پہنچا ہے بلکہ موجدین ایسے آلات ایجاد کرنے کی ف
ہیں کہ ایک ملک کو دوسرے ملک کو اتنا قریب کر د
اپنی جگہ سے ہلے بغیر ایک ملک دوسرے ملک کا م
کر ڈالے۔ تاہم ان موجدین ہی کے ہم قوموں کی طرف
عالمگیر برادری (
اور مذہب انسانیت (
کی آوازیں بھی سنی جاتی ہیں اور امید سی بندھی
کہ شاید انسان کی انسانیت کسی مرحلے پر رنگ
لے آئے۔

حمد

جناب فضل کریم افضل

میرا خالق، میرا رازق، مرا معبود ہے تو
زندگانی کا مری حاصل و مقصود ہے تو

ہو مددگار ہر اک گام پہ تیری توفیق
مجھے جملہ صفاتِ کرم و جود ہے تو

ہر جگہ جلوہ ترا، تو ہے نہاں اور عیاں
ذرے ذرے میں ہے قدرت تری، موجود ہے تو

تو ہی کر ہم کو عطا راہ ہدایت مولا!
میرا ایماں ترا شاہد ہے کہ مشہود ہے تو

حمد کا تو ہی سزاوار ہے اے ربِ عباد
تیرے محبوب محمدؐ ہیں تو محمود ہے تو

جناب محمد حفیظ اللہ پھلواری

اسلامی مساوات

(آخری قسط)

جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مصر کی فتح کا ارادہ کیا تو اول صلح کا پیغام دے کر ایک وفد حاکم مصر کے پاس بھیجا جس کا سردار عبادہ کو قرار دیا جو حبشی تھے۔ یہ وفد حاکم مصر کے سامنے آیا تو اس نے کہا کہ "اس حبشی کو نکالدو، وفد کے لوگوں نے کہا "یہی ہمارا سردار ہے اور جو کچھ یہ کہے گا اس کے ہم پابند ہیں" حاکم مصر حیران ہوا اور پوچھا کہ "تم نے ایک حبشی کو اپنا سردار کیونکر بنا لیا" انھوں نے کہا ــــ ہمارے درمیان قومیت یا رنگ پر عوت نہیں بلکہ فضیلت تقویٰ پر ہے۔ اور یہ حبشی ہم سب پر افضل الرائے ہے"

فارس کی جنگ میں مغیرہؓ بن شعبہ رستم کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ مغیرہؓ دربار میں پہنچے تو بلا جھجک رستم کے برابر تخت پر بیٹھ گئے۔ درباریوں میں ہل چل مچ گئی اور انھوں نے مغیرہؓ کو تخت سے اتارنا چاہا۔ مغیرہؓ نے کہا ــــ ہمارے یہاں تو ایک دوسرے کو غلام بنانے کا دستور نہیں ہم عرب لوگ آپس میں برابر ہیں، ایک دوسرے کو غلام نہیں بناتے"

واقعہ اجنادین میں رومی سپہ سالار نے ایک جاسوس کو مسلمانوں کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ جاسوس اسلام کے سچے نمونوں کو یعنی صحابہ کو دیکھ کر جب واپس ہوتا ہے تو رومی سپہ سالار سے ایک تحیر کے عالم میں کہتا ہے۔

"یہ لوگ رات کو راہب عبادت گذار اور دن کو فوجی سوار ہیں۔ اگر ان کے بادشاہ کا لڑکا بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹیں اور اگر زنا کرے تو پتھراؤ کریں"

حضرت معاذؓ بن جبل نے رومی دربار میں فرمایا تھا۔

"ہم نے جس کو بادشاہ بنایا ہے وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ وہ پردہ میں نہیں بیٹھتا، اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال و دولت میں اس کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں"

یہ ہے اسلامی مساوات کا عملی نمونہ ہے۔

ایک بار امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے، ایک یہودی آیا اور امیر المومنین سے کہا۔

"میں علیؓ پر دعوےٰ کرنے آیا ہوں"

امیر المومنین نے حضرت علی رضی اللہ کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

".. ابوالحسن! سامنے کھڑے ہو کر جواب دہی کرو"

حضرت علیؓ اٹھے اور امیرالمؤمنین کے سامنے جواب دہی کے لئے کھڑے ہو گئے، لیکن آپ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ یہودی نے اپنا دعویٰ پیش کیا، لیکن وہ جھوٹا ثابت ہوا یہودی چلا گیا تو امیرالمؤمنین نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔

جب آپ کو جواب دہی کے لئے کھڑے ہونے کو کہا گیا تو آپ ناخوش کیوں نظر آ رہے تھے، کیا عدالت میں یہودی کے برابر کھڑے ہونے میں عار محسوس ہوتا تھا؟

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔

"نہیں نہیں۔ یہ بات نہ تھی۔ آپ نے مجھے۔ ابوالحسن کہکر کھڑے ہونے کو کہا تھا۔ اس لئے مجھے خیال ہوا کہ کہیں یہودی یہ نہ سمجھے کہ مدعا علیہ کا خاص لحاظ ہے جو مدعی کے مقابلہ میں اسے عزت سے مخاطب کیا گیا۔ اس کا ایسا سمجھنا ہماری عدالت کی شان معدلت کے خلاف ہوتا۔"

ایک بار امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کی امارت کے لئے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص الزہری القریشی کو منتخب فرمایا۔ سعدؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص کو امارت سونپنے کے بعد حضرت عمرؓ نے انھیں نصیحت فرمائی اور فرمایا:-

"تمھیں لوگوں کا یہ کہنا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور ان کے صحابی ہو اللہ کی جانب سے دھوکہ میں نہ ڈالدے کیونکہ اللہ برائی کو برائی کے ذریعہ نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو اچھائی کے ذریعہ مٹاتا ہے اور اللہ اور انسان کے درمیان کوئی نسب نہیں سوائے اطاعت کے، تمام انسان اللہ کے دین میں برابر ہیں۔ وہ سب اس کے بندے ہیں۔ اس کے نزدیک اطاعت سے وہ فضیلت حاصل کرتے ہیں

اور جو انھوں نے اطاعت کی ہے وہ اسے پالیں گے۔ تم ان کاموں پر غور کرو جن کی تم نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پابندی کرتے دیکھا ہے اور انھیں لازم پکڑ لو۔"

جب عین نماز کے وقت ایک بدبخت نے امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خنجر مارا اور آپ امامت سے مجبور ہوئے تو حضرت صہیبؓ رومی کو اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا۔ اور وصیت فرمائی کہ حضرت صہیبؓ ہی ان کے جنازے کی نماز پڑھائیں اور اہل شوریٰ جب تک مسئلہ خلافت کا فیصلہ نہ کریں یہی خلافت کے فرائض انجام دیں۔ اس کام میں تین روز کا عرصہ لگا اور آپ تین دن تک نہایت خوش اسلوبی سے اس فرض کو انجام دیتے رہے۔

دیکھو یہ مساوات کے کیسے حیرت انگیز نمونے ہیں۔ کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے؟

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدا ترسی خوف خدا اور انصاف پسندی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ غلام کے کسی قصور پر بغرض تنبیہ اس کا کان مروڑ دیا۔ اس کے بعد آپ کو کچھ خیال آیا اور غلام سے فرمایا۔

"میں نے تمہارا کان مروڑا ہے، تم بھی میرا کان مروڑو، غلام نے کہا ــــ "بھلا یہ میری مجال کہ میں آپ کے ساتھ ایسی گستاخی کروں"۔ آپ نے فرمایا ــــ "نہیں تم میرا کان مروڑو۔ میں آخرت کے بدلے سے دنیا کے بدلے کو بہتر سمجھتا ہوں"۔ غلام نے مجبور ہو کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کان مروڑا۔ آپ نے فرمایا ــــ "اس طرح نہیں میں نے زور سے تمہارا کان مروڑا تھا، تم بھی میرا کان زور سے مروڑو"

یہ تھے اللہ سے ڈرنے والے، عدل و مساوات اور انسانیت کے سچے نمونے۔ کیا آج کے دور میں مساوات

وانسانیت کے مدعی اپنے لیڈروں اور حکمرانوں میں حضرت عثمانؓ کا نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔؟

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں آپ کی زرہ چوری ہو گئی، تلاش کے بعد پتہ چلا کہ ایک یہودی نے زرہ چرائی ہے حضرت علیؓ نے اس یہودی سے اپنی زرہ طلب کی اس نے دینے سے انکار کیا۔ کہا "زرہ آپ کی نہیں میری ہے" یہودی کی اس جسارت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوستوں کو بہت غصہ آیا، لیکن آپ نے لوگوں کو خاموش رہنے کی ہدایت فرمائی۔ اور قاضی شریح کی عدالت میں دعوےٰ کیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک معمولی آدمی کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہوئے۔ قاضی صاحب نے بھی آپ کا احترام نہیں کیا۔ حضرت علیؓ ایک طرف کھڑے ہو گئے۔

قاضی نے یہودی سے سوال کیا:۔ تم پر زرہ کی چوری کا الزام لگایا گیا ہے۔ کیا یہ الزام صحیح ہے؟

یہودی نے انکار کیا، کہا — "الزام صحیح نہیں زرہ میری کا ہے۔

قاضی شریح نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا۔

"آپ دعوے کے ثبوت میں گواہ پیش کریں"

حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے حسنؓ اور اپنے غلام قنبرؓ کو شہادت میں پیش کیا۔

قاضی شریح نے کہا — "باپ کے حق میں بیٹے کی اور مالک کے حق میں غلام کی شہادت قبول نہیں کی جاتی"

یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش ہو گئے اور قاضی شریح نے آپ کا دعویٰ خارج کر دیا۔ کیونکہ آپ کے پاس دوسرے گواہ نہ تھے۔

یہودی پر اسلامی عدالت کے اس انصاف کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے حضرت علیؓ سے کہا۔

آپ کا دعویٰ بالکل حق پر ہے۔ زرہ میری نہیں آپ ہی کی ہے۔ میں اسلامی عدالت کا انصاف دیکھنا چاہتا تھا"

اس کے بعد یہودی نے اسلام قبول کر لیا۔

سبحان اللہ! کیا ہی اچھا زمانہ تھا کہ ہر فرد و بشر بھی بات پر جان دیتا تھا۔ خود خلیفۂ وقت کا اپنے بنائے ہوئے قاضی کے سامنے مدعی بن کر جانا، قاضی کا خلاف میں مقدمہ فیصلہ کرنا اور ذرا خیال تک دل میں نہ لانا اور اور پھر خلیفۂ وقت کا اس کو ذلت نہ سمجھنا، کیا معمولی باتیں ہیں۔

ایک دن امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ حسب معمول معمولی کپڑے پہنے بازار جا رہے تھے۔ ایک شخص جو آگے جا رہا تھا آپ کو دیکھ کر تعظیماً آپ کے پیچھے ہو گیا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا "میرے برابر چلو" اس نے عرض کیا۔

"امیر المؤمنین میں تو احترام اور تعظیم کے طور پر پیچھے چل رہا ہوں"

حضرت علی رضؓ نے فرمایا — "یہ طریقہ درست نہیں یہ حکمراں کے لئے فتنہ اور مؤمن کے لئے ذلت ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس شخص کو اپنے برابر چلنے پر مجبور کیا۔

○

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رح کا یہ مضمون ماہنامہ الامداد ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ سے ماخوذ ہے۔ ———— ادارہ

اس ماہ میں ایک عمل مروج گیارھویں کا ہے جس میں چند امور قابل تحقیق ہیں۔

اول، اس عمل کی حقیقت۔ سو رواج حال کے موافق یہ عمل حضرت غوث اعظم رح کے ایصال ثواب کے لئے موضوع ہوا ہے اور احقر نے چند ثقات سے سنا ہے کہ یہ عمل خود حضرت قدس سرہٗ کا تھا جس سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصال ثواب فرماتے تھے اور چونکہ کوئی روایت حضرت قدس سرہٗ کی وفات گیارھویں تاریخ میں واقع ہونے کی نہیں چنانچہ ایک قول ربیع الآخر کی نو تاریخ کا ہے اور ایک قول سترہ تاریخ کا ہے، اور شیخ دہلوی نے ماثبت بالسنۃ میں اول کو راجح اور دوسرے کو بے اصل کہا ہے اور اہل اعراس کی عادت تاریخ کی رعایت کی ہوتی ہے، سو اول تغیر تو اس عمل میں باوجود دعویٰ محبت و اتباع کے لوگوں نے یہ کیا ہے۔

امر دوم۔ اس عمل میں عقیدت۔ اس عمل کے اکثر ملتزمین کا یہ اعتقاد ہے کہ اس عمل سے حضرت قدس سرہٗ کی روح خوش ہو کر ہماری حاجات دینویہ مالیہ و النفسیہ مثل ترقی معاش وحفظ النفس والاولاد من الآفات میں امداد فرماوے گی۔ نیز بعض کا یہ اعتقاد ہے کہ اس کے ناغہ کرنے سے حضرت کی روح مبارک ناخوش ہوگی اور اس سے کسی آفت میں ابتلاء ہو جاوے گا اور ایسے اعتقادات کا بوجہ استلزام اعتقاد استقلال فی التصرف نقلاً و عقلاً منکر ہونا ظاہر ہے اسی طرح یہ اعتقاد ہے کہ تعیین تاریخ کی شرط ہے خاص ثمرات مقصودہ کی اور غیر لازم کو لازم سمجھنا ظاہر ہے کہ خود تجاوز ہے حدود شرعیہ سے اور بعض متکلفین جو ایسی تعیینات کی کچھ مصلحتیں بیان کیا کرتے ہیں سو تخیل محض و تمحل بحت ہے چنانچہ شیخ دہلوی نے بعض متاخرین مغاربہ سے اول کچھ نقل کیا پھر شیخ متقی رح کے قول سے اس پر استدراک فرمادیا کہ۔
لَمْ یَکُنْ فِیْ زَمَنِ السَّلَفِ شَیْءٌ مِنْ ذٰلِکَ۔

لہ متقدمین کے زمانہ میں ان چیزوں میں سے کچھ نہ تھا ۱۲

امر سوم۔ اس عمل میں نیت۔ ان عاملین میں کل یا اکثر کی
نیت اغراض و مصالح دنیویہ کی درستی کی ہوتی ہے حالانکہ
طاعت مالیہ کے ایصال ثواب باعتبار ابتداء کے صدقہ ہے
کہ کچھ مال کسی مسکین پر تصدق کیا اور باعتبار انتہاء کے ہدیہ ہے
کہ اس تصدق کا ثواب کسی کی روح کو پہنچا دیا جیسا خود وہ میت
کچھ صدقہ دیتا اور اس کا ثواب اس کے پاس ذخیرہ رہ جاتا اور
صدقہ و ہدیہ دونوں نیت مذکورہ کے منافی ہیں مثلاً اگر خود
حضرت قدس سرہٗ کسی کو کچھ صدقہ دیتے تو کیا آپ کا مقصود
دنیا ہوتی یا محض ثواب ہوتا، آپ کی شان تو بہت ارفع ہے
ادنیٰ درجہ کا اخلاص بھی کسی کو ہوگا وہ طاعت میں دنیا کو
مقصود نہیں بنا سکتا یہ تو صدقہ کے پہلو میں نظر تھی اب
ہدیہ کے پہلو کو دیکھ لیا جاوے اگر حضرت قدس سرہٗ زندہ
ہوتے اور آپ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرتا تو کیا آپ سے
دنیا کا کوئی کام نکالنے کی نیت سے ہوتا یا محض محبت اور
حضرت کا دل خوش کرنے کے لئے ہوتا پھر اب اس نیت
کو کیوں بدلا جاتا ہے اور اس نیت کے ہوتے ہوئے حضرت
قدس سرہٗ کے ساتھ محبت و خلوص کا دعوے کیسے کیا جاسکتا ہے
امر چہارم اس عمل کی ہیئت۔ بجائے مساکین کے اپنے
گھر والوں کو یا اغنیاء کو حصہ تقسیم کیا جاتا ہے جس سے صاف
شبہ ہوتا ہے کہ ایصال ثواب مقصود ہی نہیں محض خاص
ہیئات کو اغراض مخصوصہ میں دخیل ہونے میں کافی سمجھا جاتا
ہے خاص تعیینات مثل تخصیص اطعمہ و تخصیص مقدار فلوس یا
روپیوں کو ضروری سمجھتے ہیں جن کا اولاً بے اصل ہونا اور
ثانیاً امر اہم اصول شرعیہ ہونا ظاہر ہے بعضے اُن اطعمہ
کے احترام میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے
نام کی چیز کا اس سے عشر بھی احترام نہیں کرتے کیا اس کو
غلو نہ کہا جاوے گا۔ یہ تفریطات تو عوام کی تھیں۔
امر پنجم۔ اس امر میں بعض خواص کی ذلت بعض مشتغلین
بالباطن کو اس عمل کے امتثال سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ ان حضرات
کی ارواح ہم سے خوش ہو کر مقاصد سلوک میں امداد
کریں گی اور فیوض باطنی پہنچاویں گی سو اس میں بھی مثل
امر دوم کے محذور اعتقاد استقلال فی التصرف کا لازم
ہے اور اس میں جو تاویلیں محتمل ہیں اس کی تحقیق تتمہ ثانیہ
امداد الفتاوی ص ۱۲ میں خوب کردی گئی ہے جو قابل
ملاحظہ ہے اس امر پنجم اور امر دوم میں بجز اس کے کہ
وہاں مقاصد جسمی اور روحی ہیں اعتقادی حالت میں
کچھ تفاوت نہیں جو اصل منشاء ہے احتیاط کا۔

رفع شبہ :- اس سے اصل عمل پر اوّلا
کا گمان نہ کیا جاوے اگر کوئی مخلص عقیدہ بھی
درست رکھے اور نہ عمل کو لازم سمجھے نہ اس کی کسی عید
کو نہ حضرت کو متصرف بلا تخلف قرار دے نہ تاریخ
کی تعیین کرے نہ اطعمہ وغیرہ کی اور مقصود صرف حضرت
کی محبت اور آپ کے دینی احسانوں کے صلہ میں آپ کو
ثواب بخشنا ہو۔ تاکہ آپ کو ترقی مدارج قرب کا نفع
پھر اس خدمت ثواب رسانی پر حق تعالیٰ جو چاہے
نعمت دیدے جس میں حضرت کے علم و تصرف کو دخل
بھی نہ ہو، ایسے شخص کو اس کی اجازت ہے اور اس
ساتھ ہی مصلحت شرعیہ یہ ہے کہ ایسی بات سے احتیاط
رکھے جس سے ظاہر بینوں کو شبہ اور سند ہو سکے
یعنی اول تو کسی پر اس کا اظہار نہ کرے اور نفل طعام
دیلے بھی خفیہ افضل ہے دوسرے اگر مخفی نہ رہ سکے تو
اس کا مروج نام یعنی گیارھویں نہ رکھے۔ ثواب رسانی
مناسب اور صحیح اور حقیقت پر دلالت کرنے کے لئے
کافی عنوان ہے، فقط

(بقیہ مضمون "آپ کے سوال")
منظہر بنایا۔ فصلے اللہ تعالیٰ علیہما وسلم

جناب مفضل قریشی

خلیج فارس کی ریاستوں کا مسئلہ

ترجمہ: محمد سعید الدین حسینی

جنوری ۱۹۶۸ء میں برطانوی وزیراعظم نے دارالعوام میں اعلان کیا کہ ۱۹۷۱ء تک برطانیہ یوروپ سے باہر بحیرۂ روم میں اپنے فوجی اڈے ختم کردے گا۔ اس اعلان سے خلیج فارس کی تقریباً تمام ریاستوں میں کھلبلی مچ گئی۔

اگرچہ برطانیہ کے اس ارادے کا علم کافی عرصہ سے تھا لیکن اس پر اب تک خلیج فارس کی ریاستوں نے سنجیدگی سے توجہ نہیں دی تھی۔ اور آخرکار برطانیہ کو اقتصادی بحران کے سبب اس کا اعلان کرنا ہی پڑا۔

برطانیہ کی کم و بیش چھ ہزار فوج کی کمپنیاں خلیج فارس کی چھوٹی اور فوجی اعتبار سے کمزور ریاستوں کیلئے بیرونی بڑی طاقتوں یا ہمسایہ ریاستوں کے حملے سے بچاؤ کے لئے بہت بڑا سہارا سمجھی جاتی تھیں، اور ان فوجوں کی واپسی کے اعلان نے ساری ریاستوں کے لئے عدم تحفظ کا شدید خطرہ پیدا کردیا۔

بحرین کے ناظم اطلاعات شیخ محمد بن مبارک الخلیفہ نے کہا کہ مذکورہ اعلان برطانیہ اور بحرین دونوں کے عوام کیلئے دل آزاری کا باعث ہے انھوں نے یہ بھی اندیشہ ظاہر کیا کہ ممکن ہے کہ ۱۹۷۱ء کے اختتام سے قبل ہی برطانوی فوجیں اپنا بوریہ بستر گول کرلیں۔ اور اس علاقے سے ایک بڑی

قوت کا ہمیشہ کے لئے کوچ کر جانا ایک سنگین مسئلہ بن جائیگا

دوسرے شیوخ حکمرانوں نے بھی، برطانیہ کے اس فیصلہ پر کہ وہ اچانک ان کو بیچ منجدھار میں چھوڑ کر چلا جائے گا۔ زبردست احتجاج کیا اور یہ امید ظاہر کی کہ اگر فی الحقیقت وقت کے تقاضوں کے تحت، برطانوی فوجوں کو جانا بھی پڑے تو کم از کم ان حکمرانوں کو اتنی سہولت اور اتنا وقت ضرور ملنا چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو منظم کرنے کے لئے قابل عمل انتظامات کے سامان مہیا کرلیں۔ تیل کی دولت سے مالا مال حکمرانوں نے اس مد میں خرچ کرنے کے لئے کافی بڑی رقم کی پیشکش بھی کی۔ جس کا ذکر کرتے ہوئے لندن ٹائمز نے ۲۱ جنوری کی اشاعت میں تحریر کیا ہے کہ۔

> ابوظبی کے حکمران شیخ زید بن سلطان اور خلیج فارس کے دوسرے حکمران شیوخ نے اس علاقے میں برطانوی فوج کے جملہ اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ کیا ہے جو ۲۰ سے ۲۵ ملین ڈالر تک ہیں۔

اس پیشکش کے جواب میں برطانوی محکمہ دفاع کے سکریٹری ڈینس ہیلے نے ٹیلی ویژن پر ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ وہ اس پیشکش کو قبول کرنے کے خلاف ہیں اور اس

خیال سے متفق نہیں کہ برطانیہ عرب شیوخ کے لئے ایک سفید غلام کا کردار ادا کرے یا عربوں کے لئے بھاڑے کے ٹٹو کی حیثیت میں رہے۔ اس انٹرویو پر برطانوی حزب مخالف کے ترجمان سرالک ڈگلس ہوم نے کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ سمندر پار برطانوی اخراجات کا معاوضہ حاصل کرنا ایک جائز عمل ہے۔ لندن ٹائمز نے ۲۳ جنوری کو اپنے اداریے میں لکھا کہ خلیج فارس میں برطانوی فوج کے اخراجات کے معاوضہ کی عرب شیوخ کی طرف سے ادائیگی ایسی ہی ہے جیسے کہ اب تک برطانیہ ہانگ کانگ اور جرمنی سے اپنے اخراجات کا معاوضہ لیتا رہا ہو اس سب سے زیادہ مقبول اور با اثر اخبار نے حکومت کو پر زور مشورہ دیا کہ وہ اس مسئلہ پر سنجیدگی اور پورے انہماک سے غور کرے۔

ابھی تک برطانیہ نے اس پیشکش کا سرکاری طور سے کوئی جواب نہیں دیا ہے، ہوسکتا ہے اس میں کافی دیر بھی ہوجائے کیونکہ اس مسئلہ کے ساتھ بہت سے ایسے مسائل اٹھ کھڑے ہوجائیں گے جو حکومت کی پالیسیوں سے ٹکراتے ہیں۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ فوجوں کے اپنے اپنے حصے کے اخراجات ادا کرنے کے بعد ہوسکتا ہے کہ عرب حکمران فوجوں کے استعمال کو اپنی مرضی کا پابند بنالیں یا پھر وہ ان فوجوں کی تعداد ظاہر کرنے پر مصر ہوں اور ان حکمرانوں کے ایسے مطالبے یقیناً قانونی اور حق بجانب ہوں گے۔

اسی اخبار میں محکمہ دفاع کے سکریٹری صاحب نے بھی اپنے رجحانات پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی اور اپنی سابقہ رائے پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے عرب شیوخ کو یقین دلایا کہ برطانوی حکومت ان کی طرف سے پیش کئے گئے معاوضہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور پورے انہماک کے ساتھ اس پر غور کر رہی ہے۔

خلیج فارس میں برطانوی فوج چاہے رہے یا نہ رہے عرب شیوخ کے لئے بہترین راہ عمل یہی ہے کہ وہ آپس میں اتحاد کا مظاہرہ کریں اور اپنے پیروں پر آپ اٹھ کھڑے ہوں، برطانوی فوج کی طویل عرصہ تک ان کے علاقے میں موجودگی ایک عارضی حفاظت کا سبب ہی بن سکتی ہے کیونکہ اگر آج برطانیہ وہاں فوجیں برقرار رکھنے کا فیصلہ کرلیتا ہے تو کل کو پھر بدلے ہوئے حالات کے تحت ہم ہٹانے کا بھی فیصلہ کرسکتا ہے۔ خلیج فارس میں برطانوی فوجوں کی موجودگی قدیم نو آبادیاتی نظام کا ورثہ ہے۔ اور اس بوجھ سے جس قدر جلد نجات حاصل کی جائے اتنا ہی بہتر ہوگا۔

خلیج فارس کے حکمرانوں کی موجودہ باہمی ملاقاتوں کے سلسلے سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ لوگ بھی برطانوی گرگٹ کے بدلتے ہوئے رنگ دیکھ کر حفاظت ذات کے مسئلہ پر ہوشمندانہ طریقوں سے غور کر رہے ہیں۔ کویت کے وزیر خارجہ شیخ صباح الاحمد الصباح نے خلیج کی ریاستوں کا سفر کرکے تمام حکمرانوں سے تبادلہ خیال کیا اور واپسی پر بیان دیتے ہوئے کہا کہ کویت اپنے سارے وسائل عرب شیوخ کی حفاظت اور ریاستوں کے استحکام کے لئے وقف کر دے گا۔ واضح رہے کہ کویت ہی ایک ایسی ریاست ہے جہاں برطانوی فوجوں کا پڑاؤ نہیں تھا اور اس نے کوئی پیشکش بھی نہیں کی تھی۔ اس کے علاوہ خلیج کی سب سے بڑی اور مالدار ریاست ہونے کی وجہ سے کویت سے یہ توقع بجا طور پر کی جاسکتی ہے کہ وہ تمام ریاستوں کو متحد کرکے ایران، مصر، اور سعودی عرب جیسی بڑی طاقتوں کے مابین جو خلیج فارس میں اپنے مفاد کی وجہ سے دلچسپی رکھتے ہیں ایک رابطے کا کام انجام دے سکتا ہے۔ والیٔ کویت شیخ صباح السالم الصباح نے ایران کا بھی دورہ کیا تھا۔ اور ۱۳ جنوری کو طہران میں شائع ہونے والے مشترکہ اعلامیہ

میں بتایا گیا تھا کہ ایران اور کویت آپس میں رشتۂ اتحاد اور تعلقات کو مستحکم تر بنانے کے خواہشمند ہیں۔ والی کویت کے اس سفر سے ایران کے ارباب اقتدار سے باہمی صلاح و مشورہ اور اتفاق و یگانگت کی فضا میں دوستی و معاونت کے ذریعہ خلیج فارس کے علاقے میں قرار واقعی استحکام پیدا کرنے کا مقصد سب پر عیاں تھا۔ ایک قابل ذکر نکتہ بحرین پر ایران کا علاقائی مطالبہ بھی ہے اور بہت سی خبروں نے یہاں تک بھی شہرت پائی کہ والی کویت نے ایران کو اپنے اس مطالبے سے باز رکھنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، لیکن بعد میں ایران نے خود اس کی تردید کر دی۔

دوسری طرف والی بحرین شیخ عیسیٰ بن سلمان الخلیفہ سعودی عرب کے دورۂ خیرسگالی پر گئے اور ۱۷ جنوری کو ایک مشترکہ اعلامیہ میں سعودی عرب سے مکمل تائید و حمایت حاصل ہونے کا واضح اعلان کیا گیا۔ ایرانی مطالبہ کے خلاف سعودی عرب سے یقین دہانی حاصل کرنے کے علاوہ والی بحرین نے عراقی ممکنہ دھمکیوں سے متعلق بھی گفتگو کی جبکہ اگرچہ اس وقت کوئی وجود نہیں ہے لیکن سابق وزیر اعظم عبدالکریم قاسم کے دور میں ان باتوں کو کافی ہوا دی گئی تھی۔ عبدالکریم قاسم نے کویت پر حملہ کی بھی دھمکی دی تھی۔

بحرین کے لئے سعودی عرب کی حمایت اس امر کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ سعودی عرب ایران کو خلیج فارس سے دور ہی دیکھنا چاہتا ہے اور ویسے بھی سعودی عرب کو ایران کے ان مطالبات سے بھی اتفاق نہیں ہے جو وہ ساحلی علاقوں میں تیل کے حقوق سے متعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا سعودی عرب نے نہ صرف یہ کہ بحرین کی حمایت کا اعلان کیا بلکہ یہ بھی واضح کر دیا کہ فارس بالکلیہ عرب علاقہ ہے، شہنشاہ ایران کے مفوضہ دورۂ ریاض کی منسوخی اسی کا نتیجہ ہے۔

جنوری ہی میں ترکی کے صدر جودت صونائی نے ریاض کے شاہی محلات کی ضیافت میں حصہ لیا، ترکی کا نام بشمول پاکستان و ایران ان پانچ ملکوں میں شامل تھا جن میں خلیج فارس کی حفاظت کے لئے ایک معاہدہ کا امکان پایا جاتا ہے۔ ترکی عرب دنیا سے نہ صرف مشرق وسطیٰ کی بڑی طاقت کے اعتبار سے بھی ملا ہوا ہے بلکہ ایک مسلم ملک ہونے کی حیثیت سے بھی۔

والیٔ ابوظبی شیخ زید بن سلطان اور دوبئی کے والی شیخ راشد بن سعید المکتوم نے بھی آپس میں دوبئی میں ملاقات کی اور ۲۳ جنوری کو مشترکہ اعلامیہ جاری کیا کہ دونوں نے اپنی ریاستوں کے موجودہ و مستقبل کے مفادات پر تفصیلی گفتگو کی۔ دونوں سربراہوں نے باہمی قربت اور تعلقات کو مستحکم تر بنانے کی خاطر دوسرے امور کے علاوہ یہ بھی طے کیا کہ ابوظبی اور دوبئی کے درمیان ایک شاہراہ تعمیر کی جائے۔ اس کے بعد شیخ راشد نے بحرین اور قطر کا بھی دورہ کیا اور وہاں کے سربراہوں سے باہمی مفادات کے مسائل پر اہم گفتگو کی۔

اسی دوران راس القائمہ کے حکمران شیخ صقر بن محمد القاسم نے جنوری کے تیسرے ہفتہ میں ایک اہم اعلان کے ذریعہ سنسنی پھیلا دی کہ عواقب و نتائج کی پروا کئے بغیر جمہوریہ فارس کے قیام کے لئے سارے عرب شیوخ جبل المتین کی امپرٹ میں ایک پلیٹ فارم پر متحد و مجتمع ہو جائیں۔ لیکن بعض دوسرے حکمرانوں سے مایوس کن ردعمل پاکر شیخ صقر نے اپنی تحریک واپس لے لی۔ لیکن انھوں نے لندن ٹائمز کے سیاسی وقائع نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ برطانوی فوجوں کے انخلاء سے پہلے ہی اس علاقہ کے حکمرانوں کو ایک متبادل انتظام پر متفق ہونا پڑے گا۔ انھوں نے بتایا کہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ قطر، مسقط، عمان اور دیگر سات ریاستوں کا گٹھ جوڑ ضروری ہے اور یہ کہ کوئی ادارہ ایسا ہو جو ان سب کو متحد و متفق کر دے۔

اگرچہ کہ راس القائمہ ساحل کے شمالی سرے پر ایک کمزور ریاست ہے لیکن ان علاقوں کی ریاستوں کی کونسل کے صدر کی

حیثیت سے اس کے حکمران کو ایک خاص سیاسی اہمیت حاصل ہے۔ اس کونسل کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ ان کمزور ریاستوں کی فلاح و بہبود کے منصوبے تعمیر کروائے اور اخراجات کی رقم دولت مند ریاستوں سے چندے کے طور پر وصول کرے، کونسل کی زیر نگرانی ایک ترقیاتی بورڈ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اب تک بحرین سے ۴۰ ہزار ملین ڈالر، قطر سے ۲۵ ہزار ملین ڈالر، برطانیہ سے ایک ملین ڈالر وصول کرلئے ہیں، مذکورہ رقم سے ترقیاتی بورڈ پانی اور بجلی کی سہولتیں فراہم کرنے کے علاوہ سڑکوں کی تعمیر وغیرہ میں بھی مصروف ہے

خلیج فارس کے مستقبل سے متعلق سعودی عرب کے ریڈیو نے ایک اعلیٰ آفیسر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ فارس کی ریاستوں کا مستقبل فارس کے عوام پر منحصر ہے اور انہیں چاہئے کہ باہمی اخوت اور اقتصادی رشتوں کو مضبوط بنائیں، باہمی یگانگت کی استواری انہیں وفاق کی تشکیل پر راغب کرے گی۔ جو ایک طرف کمیونزم کے خلاف زبردست ہتھیار ہے تو دوسری جانب خلیج فارس میں روس کی خرمستیوں پر ایک ضرب کاری ہے اور ساتھ ہی ساتھ عرب قومیت اور تیل کی اجارہ داری کے استحکام اور عرب ریاستوں کی تقویت کا باعث ہے۔

کویت کے وزیر خارجہ کے حالیہ دورۂ سعودی عرب کو بھی کافی اہمیت دی جا رہی ہے کیونکہ ان دونوں ریاستوں کے باہمی اشتراک و اتفاق سے فارس میں اہم واقعات رونما ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں ریاستیں برطانیہ اور امریکہ کی پشت پناہی سے عرب جمہوریہ، شام اور روس کے گٹھ جوڑ کے خلاف مستحکم محاذ بنا سکتے ہیں۔

ادھر وزیر اعظم ایران عباس ہویدا نے اپنے سابقہ موقف پر قائم رہنے کا اعلان کیا اور بحرین پر اپنے حقوق جتلاتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ خلیج فارس کے دفاع کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے ایران پوری طرح چاق چوبند ہے اور یہ کہ برطانوی انخلار کے پردے میں کسی اور ملک یا امریکہ کی مداخلت برداشت نہیں کی جائے گی۔

جب ایران نے اپنے مطالبات میں شدت اختیار کی تو عراق نے بھی پاؤں پھیلانے شروع کر دیئے۔ توقع ہے کہ والیٔ بحرین عنقریب بغداد جائیں گے، کوشش کریں گے کہ عراق کھلم کھلا کویت کی آزادی کو تسلیم کرلے، عراق کے وزیر اعظم طاہر یحییٰ نے حال ہی میں کویت کا دورہ کیا ہے توقع ہے کہ وہ فارس کی دوسری ریاستوں کا بھی دورہ کریں گے۔

مذکورہ بالا دوروں اور مذاکرات سے دو نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ عرب ریاستیں بشمول عراق و سعودی عرب فارس کے سیاسی معاملات سے ایران کو بالکلیہ بیدخل کر دیں دوسرے یہ کہ عرب ریاستیں اپنے مستقبل کے فیصلے کے لئے کوئی اہم اقدام کریں، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریاستیں عنقریب کسی مذاکرہ کا اہتمام کرنے والی ہیں۔

امریکی انڈر سکریٹری آف اسٹیٹس یوجین روستو نے ۲ جنوری کو ایک اعلان میں کہا تھا کہ ۵ ممالک خلیج فارس کے تعلق سے ایک معاہدہ کر رہے ہیں جن میں ترکی، ایران، پاکستان، سعودی عرب اور کویت شامل ہیں۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ان تمام ممالک نے اس قسم کے معاہدہ سے لاعلمی کا اظہار کیا، ہاں اس بات کا امکان ہو سکتا ہے کہ ایران اور ترکی اس قسم کے معاہدہ میں شرکت پر غور کریں۔ ہو سکتا ہے کہ پاکستان ایسا نہ کرے

ایک اور ملک جو فارس کے معاملات میں سب سے زیادہ دلچسپی رکھتا ہے عرب جمہوریہ مصر ہے، لیکن اب تک وہ دیوار پر بیٹھی بلی کی طرح خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ ۳ فروری کی اشاعت میں مصر کے نیم سرکاری اور با اثر اخبار الاہرام نے لکھا ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ سعودی عرب کے شاہ فیصل کے ہر اس اقدام کی تائید کرے گا جس سے خلیج فارس کی سالمیت اور عرب ازم کا تحفظ ہو۔ متحدہ عرب جمہوریہ کے وزیر خارجہ محمود ریاض کے حال ہی میں ۵ عرب ممالک کے دورے کرنے کا

مقصد بھی یہی تھا، متحدہ عرب جمہوریہ، عراق اور کویت کی حکومتوں نے متفقہ طور پر یہ کہا ہے کہ اس مسئلہ میں سعودی عرب کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں اور ان حکومتوں نے سعودی عرب کے ہر اقدام کی تائید کا بھی یقین دلایا ہے، متحدہ عرب جمہوریہ کا یہ رویہ اس کے نظریات کی اچانک تبدیلی کا مظہر ہے جو عرب اسرائیل کے حالیہ تصادم کے نتیجے میں ہوئی، اور جس کی وجہ سے مصر کو یمن سے اپنی فوجیں واپس بلانی پڑیں۔

ان چاروں حکمرانوں اور دوسرے عرب شیوخ کے آگے ابھی اس نکتہ کی قطعی وضاحت ہونی باقی ہے کہ آیا برطانیہ اپنی فوجیں خلیج فارس میں اس شرط پر برقرار رکھنے کے لئے آمادہ ہو جائے گا کہ اس کے اخراجات فارس کی ریاستیں ادا کرتی رہیں۔

متوقع مذاکرہ میں اس امر پر بھی غور اور فیصلہ ہوگا کہ آیا حسب مشورۂ امریکہ کویت سے دستوری طور پر الحاق اور فارس کے دفاع کا معاہدہ ممکن ہے، بہرحال جو بھی فیصلے ہوں گے وہ انتہائی دور رس نتائج کے حامل ہوں گے دیکھنا یہ ہے کہ عرب سیاست کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

خلیج فارس سے فوجوں کی واپسی کا برطانوی فیصلہ سو سالہ فوجی مورچہ کے خاتمہ کا باعث ہوگا۔ زیر بحث ریاستوں میں سات مصالح ریاستیں شامل ہیں جن کی آبادی ایک ہزار سے ۵۰ ہزار تک ہے ان میں سے دو ابوظبی اور دوبی زیادہ تیل مہیا کرنے والی ریاستیں ہیں۔ ان سب کا آپس کا معاہدہ ۱۱۵ سالہ قدیم ہے کہ اگر یہ ریاستیں سمندر سے موتیوں کے حاصل کرنے کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جائیں تو برطانیہ اس میں مداخلت کرنے کا مجاز ہوگا۔

۱۸۹۲ء میں ایک معاہدہ یہ بھی ہوا تھا کہ مذکورہ ریاستیں سوائے برطانیہ کے اپنے علاقوں کا کوئی حصہ نہ کسی کو فروخت کریں گی نہ ہی رہن رکھیں گی۔

۱۹۲۲ء میں ایک اور معاہدہ ہوا کہ مذکورہ ریاستیں تیل کی مراعات بھی برطانیہ کی رضامندی حاصل کئے بغیر کسی کمپنی کو نہ دیں گی نہ ہی اس سلسلہ میں کسی سے بات چیت کا آغاز کریں گی۔

۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی رو سے برطانیہ پابند تھا کہ وہ ابوظبی کی ہر طرح سے حفاظت کا ذمہ دار ہے، اسی طرح ۱۹۵۲ء میں برطانیہ نے فجیرہ کو بھی ایک معاہدہ کے ذریعہ اطمینان دلایا کہ وہ اسے ہر بیرونی حملہ آور کے خطرے سے محفوظ رکھے گا۔ برطانیہ نے قطر کو بھی ۱۹۱۶ء میں ایک معاہدہ کے ذریعہ یقین دہانی کی تھی کہ اسے بحری حملہ آور سے محفوظ رکھے گا۔ برطانیہ نے اپنے مواعید کی توثیق ۱۹۳۵ء اور ۱۹۵۶ء میں کی اس طرح برطانیہ نے ۱۸۶۱ء میں بحرین سے بھی حفاظتی معاہدہ کیا تھا جس کی توثیق ۱۹۵۱ء اور ۱۹۶۶ء میں ہوتی رہی۔ مسقط اور عمان کی ریاستوں کو کسی خارجی حملہ کی صورت میں کسی امداد کے لئے برطانیہ کسی وعدہ کا پابند نہیں ہے، البتہ ۱۹۵۱ء میں ان ریاستوں سے تجارتی معاہدہ کے تعلق سے برطانیہ کی صاحب سلامت ضرور ہے۔ کویت کی آڑے وقتوں میں امداد کا معاہدہ ۱۸۹۹ء میں ہوا تھا جو ۱۹۶۱ء میں ... ختم ہوگیا، لیکن جب عراقی وزیر اعظم جنرل عبدالکریم قاسم مرحوم نے کویت پر حملہ کی دھمکی دی تھی تو برطانیہ نے فوراً اپنی فوجیں کویت میں بھیجدی تھیں۔

برطانیہ کی پشت پناہی کی وجہ سے ان ریاستوں میں کسی قسم کی داخلی ابتری پیدا نہ ہوسکی۔ مگر حسب ذیل ممالک کے علاقائی مطالبے وقتاً فوقتاً سر اٹھاتے رہے:

عراق کا مطالبہ کویت پر، ایران کا مطالبہ بحرین پر، سعودی عرب اور قطر کے مطالبے ابوظبی کے بعض حصوں پر، ان کے ساتھ ساتھ خود بحرین اور قطر بھی بعض جزائر اور ساحلی علاقوں پر اپنے علاقائی مطالبات کا اظہار کرتے رہے ہیں

ابو ظبی بھی دوبئی کے کچھ حصہ پر اپنا حق جتلاتا تھا۔ بہت سی ریاستیں ابھی تک اپنے جغرافیائی حدود کے قضیے کو نہیں نمٹا سکیں۔

خلیج فارس کی ریاستوں کی اہمیت ان کے تیل کے ذخائر کی قدر و قیمت کی وجہ سے ہے جن کی سالانہ پیداوار ۳۰۰ ملین ٹن ہے، اور جو بفضل خدا ہر سال بڑھتی جا رہی ہے۔ فارس کے علاقوں کے تیل کے ذخائر دنیا بھر کے تیل کے ذخائر کا نصف ہیں۔ فارس کے علاقوں کے تیل میں برطانوی سرمایہ ایک ہزار ملین ڈالر ہے جس سے رائلٹی کے عنوان سے سالانہ ۲۰۰ ملین ڈالر کے زر مبادلہ کی آمدنی ہوتی ہے اگر تیل قومی ملکیت قرار دیدی جائے تو اس آمدنی سے برطانیہ کو ہاتھ دھونا پڑے گا۔ دوسرے برطانیہ میں جس قدر تیل کی کھپت ہے اس کا ۴۹ فیصد حصہ خلیج کے علاقوں سے حاصل ہوتا ہے، فارس پر کسی دوسری اجارہ داری ہو جانے سے برطانیہ کو ایندھن کے اس زبردست سرچشمہ سے محروم ہونا پڑے گا۔ تیسری قابل ذکر اور اہم بات یہ ہے کہ فارس کی ریاستوں کا سرمایہ اسٹرلنگ کی شکل میں برطانوی بنکوں میں ہے۔ اور برطانیہ اس سرمایہ کو باہر بھیجنا کس طرح پسند کرے گا۔

ان حالات میں حزب مخالف یہ استدلال پیش کر رہی ہے کہ فارس میں فوجوں کے اخراجات کے سلسلہ میں سالانہ ۲۰ ملین ڈالر کی بچت کی خاطر برطانیہ نہ صرف ان ممالک کے اسٹرلنگ کی جمع شدہ رقومات کی واپسی کا خطرہ مول لے رہا ہے بلکہ ایک ہزار ملین ڈالر کے لگائے ہوئے سرمایہ سے بھی ہاتھ دھو رہا ہے ——— (بشکریہ مسلم نیوز انٹرنیشنل)

امیر المؤمنین کی بیٹیاں

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ عشاء کی نماز کے بعد اپنی صاحبزادیوں سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے ایک رات جب وہ ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان سب نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں ایک خادمہ قریب کھڑی تھی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس سے پوچھا کہ انہوں نے ہاتھ منہ پر کیوں رکھے ہوئے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین! آج ان کے پاس رات کے کھانے میں پیاز اور دال کے سوا کچھ نہیں تھا، انہوں نے آپ کو دیکھ کر اپنا منہ اس لئے بند کیا ہے کہ کہیں آپ کو منہ کی بو سے اس بات کا احساس ہوگا۔

حضرت عمرؒ یہ سن کر رو پڑے اور روتے ہوئے ان سے کہا کہ:

"بیٹو! اس سے کیا فائدہ کہ تم تو قسم قسم کے کھانے کھاؤ اور تمہارا باپ آگ میں جلے؟"

یہ سن کر تمام صاحبزادیاں بھی رو پڑیں، اور تھوڑی دیر بعد امیر المؤمنین واپس چلے گئے۔

منظوم تراشے

ترتیب: ب۔ نعمانی

از اکبر الہ آبادی

تجارت بنام خدا

تحریک ضرورت معیشت ہے بہت
خرقے کو بھی اب خیال خلعت ہے بہت
خالق کی جمال کا تو سودا کم ہے
اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

خدا درمیان سے اُٹھ گیا

میں دیکھتا ہوں صلح و محبت ہے اُٹھ گئی
ہر دل سے، ہر گروہ سے، ہر خاندان سے
اس کا سبب نہیں ہے سوا اس کے اور کچھ
یعنی کہ اُٹھ گیا ہے خدا درمیان سے

مسلمان ہیں کہاں ؟

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایمان ہیں کہاں
حُسن عمل کے دل میں وہ ارمان ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں

کار دنیا اور مذہب

شیخ صاحب کا نکل سکتا ہے مطلب کیونکر
نظر آسکتی ہے اب رونق مذہب کیونکر
کارِ دنیا سے فراغت ہی عزیزوں کو نہیں
پھر کہیں ان سے الٰہی دبلشخار غیب کیونکر

عقبیٰ کا تصوّر

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
دو ہی چیزیں ہیں بس محافظِ دل
عقبیٰ کا تصوّر اور اللہ کی یاد

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

ج کے بارے میں چند سوالات

"بعض معترضین اعتراض کرتے ہیں کہ جب کوئی کسی معزز مہمان کو مدعو کرتا ہے تو اس کی آمد سے قبل ہی گیٹ وغیرہ کھولے جاتے ہیں راستوں اور سڑکوں کو آراستہ و پیراستہ کیا جاتا ہے ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق جل شانہٗ نے آسمانوں پر بغرض معراج) بلایا تھا تو ان کی آمد سے قبل ہی اللہ تعالیٰ ابواب السمٰوٰت کو کھول دیتا تاکہ حضورؐ جو کہ خصوصی مہمان تھے یا جبرئیلؑ کو آسمانوں کے دروازے کھٹکھٹانے کی نوبت نہ آتی۔

اور تمام آسمان والوں کو اللہ تعالیٰ آگاہ کر دیتے کہ آج میرا معزز مہمان (محمدؐ) آنیوالا ہے اس کی عزت واحترام واستقبال کرنا حالانکہ احادیث میں ابواب السمٰوٰت کا کھٹکھٹانا اور آسمان والوں کا حضورؐ یا جبرئیلؑ سے پوچھنا کہ تمہارے (جبرئیلؑ) ساتھ کون ہے۔ بعدہٗ جواب کہ ان کو (محمدؐ) بلایا گیا ہے مذکور ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟"

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا ہماری سمجھ میں آنا ضروری نہیں ہے اور ہمارے رواج میں جو طریقے اکرام مہمان کے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا پابند نہیں، پھر جو معاملات اور حالات ملاء اعلیٰ سے متعلق ہیں ان کو زمین پر رہ کر سمجھنا مشکل ہے اور یہاں کے رہنے والوں کے حالات پر قیاس کرنا نادرست بھی ہے۔ تاہم معاندین کا اعتراض دفع کرنے کے لئے قدرے تفصیل سے چند باتیں لکھی جاتی ہیں۔

اسرار معراج ایک مستقل موضوع ہے جس پر بڑے بڑے محدثین اور اصحاب دل واہل حکمت ودانش لکھتے آئے ہیں۔

جہاں اکثر مہمان آتے ہوں اور بار ہا آتے رہتے ہوں وہاں یہی بات ہے کہ پہلے سے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے۔ اور چونکہ ہر مہمان کے لئے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اس لئے اس میں کسی خصوصیت اور امتیاز کا اظہار نہیں ہوتا۔ لیکن معراج کا مہمان بے مثال مہمان ہے نہ اس سے پہلے کسی کو یہ مہمانی نصیب ہوئی نہ اس کے بعد اور مہمانی بھی ایسی نہیں کہ امریکہ والا ایشیا چلا آیا یا ایشیا والا افریقہ چلا گیا یعنی خاکی انسان خاک ہی پر گھومتا رہا بلکہ وہ ایسی مہمانی تھی کہ فرش خاک کا رہنے والا

سبع سموات سے گذرتا ہوا سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچ گیا جہاں اس چہیتے مہمان کے سوا کوئی نہیں پہنچا صلے اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ بقدر کماله وجماله ۔ چونکہ انسانوں میں سے وہاں کوئی نہیں جاتا اور وہاں کی راہ مبتذل نہیں ہے اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ہر ہر آسمان کا دروازہ آمد پر کھولا جائے تاکہ وہاں کے شائقین اور مقربین کو معزز مہمان کا مرتبہ معلوم ہوتا چلا جائے اور یہ جان لیں کہ یہ کوئی ایسی ہستی ہے جس کو بغیر درخواست کے بلایا گیا ہے اور جس کے لئے آج وہ دروازے کھولے جارہے ہیں جو کبھی کسی کے لئے نہیں کھولے گئے درحقیقت یہ اعزاز اس اعزاز سے زیادہ ہے کہ پہلے سے دروازے کھلے رہیں جو دوسروں کے لئے بھی کھلے رہے ہوں (قال ابن المنیر حکمته التحقق ان السماء لم تفتح الا من اجله بخلاف مالو وجده مفتوحا (فتح الملہم ص ۳۱۳ ج ۱)

جوں ہی کوئی دروازہ کھٹکھٹایا گیا اس آسمان کے رہنے والے متوجہ ہوئے اور یہ سمجھ لیا کہ کسی اہم شخصیت کی آمد ہے اور پھر جبرئیل علیہ السلام سے سوال وجواب ہوا اس سے حاضرین کو مہمان کا تعارف اور تشخص حاصل ہوگیا پہلے تو سب نے مہمان کا نام سنا زیارت کی، گویا مہمان کی آمد کے بعد جو تعارف حاضرین سے کرایا جاتا ہے وہ دروازہ کھٹکھٹانے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے نام دریافت کرنے سے حاصل ہوگیا، ظاہر ہے کہ آمد کی عمومی اطلاع سے یہ بات حاصل نہ ہوتی، اور چونکہ بارگاہ رب العٰلمین کی حاضری کے لئے یہ سفر تھا اور فرشتوں کی زیارت یا فرشتوں کو زیارت کرانا مقصد اعلیٰ نہ تھا اس لئے ہر جگہ قیام کرنے کا موقعہ نہ تھا ملائکہ[1] متوجہ ہوتے رہے اور آپ کی زیارت کرتے رہے اور آپ آگے بڑھتے چلے گئے، دنیا میں استقبال کے لئے استقبالیہ کمیٹی کے افراد کو پہلے سے جمع کرنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا کے وسائل کے پیش نظر اچانک سب کا حاضر ہونا مشکل ہوتا ہے لامحالہ پہلے سے آنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وقت نہ نکل جائے لیکن عالم بالا کے ساکنین کو وہ قوتیں حاصل ہیں کہ آن واحد میں ہزاروں میل کا سفر کرکے جمع ہوسکتے ہیں۔ دروازہ کھٹکھٹایا گیا ہے بھنک پڑی سب حاضر ہوگئے دروازہ کھلتے وقت سب موجود ہیں۔

اور ایک بات یہ ہے دروازہ کھلوانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی صفت ہے جو کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں اور شب معراج میں بھی اس صفت کا مظاہرہ کرایا گیا۔ اگر پہلے سے دروازے کھلے ہوتے تو درکشائی کی امتیازی شان کا ظہور نہ ہوتا۔ اس بات کے واضح کرنے کے لئے درکشائی مہمان معراج صلے اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان ہے، ہم ذیل میں دو حدیثیں درج کرتے ہیں۔

ایک بار جبرئیل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر تھے، اچانک اوپر سے کچھ آواز آئی انھوں نے اس پر سر اٹھایا اور یہ عرض کیا کہ یہ آسمان کا دروازہ ہے جو صرف آج ہی کھولا گیا ہے اس سے قبل کبھی نہیں کھلا پھر اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا جو اس سے پہلے زمین پر نہ آیا تھا اس فرشتے نے فخر کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ خوشخبری قبول فرمائیں آپ کو دو نور ایسے دیئے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ ایک سورۂ فاتحہ دوم سورۂ بقرہ کی آخری آیات (مسلم شریف)

قیامت کے دن جنت کا دروازہ بھی سب سے پہلے آپ ہی کے لئے کھولا جائے گا آپ نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور کھولنے کو کہوں گا، خازن جنت دریافت کرے گا کہ آپ کون ہیں میں کہوں گا محمد ہوں وہ کہے گا بِكَ اُمِرْتُ اَنْ لَّا اَفْتَحَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ۔

آپ کی عظمت شان کے باعث مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ آپ کے علاوہ کسی کے لئے یہ دروازہ نہ کھولوں۔

---

[1] ولم یجزہا احد الا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (فتح الملہم)

لہٰذا ہر آسمان کا دروازہ آپ کا اسم گرامی سن کر کھولا جاتا۔ آپ کی فتح الباب والی امتیازی شان کے پیش نظر ہوا۔

(۲) " حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موسیٰ کے پاس بار بار آنا اور ان کا حضور کو تخفیفِ صلوٰۃ کا مشورہ دینا یہ کیوں ہوا؟ کیا حق تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ پچاس نمازیں امت پر بہت زیادہ ہیں اتنا بارِ گراں امت برداشت کرنے کی نہیں پہلے ہی سے پانچ نمازیں مقرر کر دیتا علاوہ ازیں تخفیفِ صلوٰۃ کا مشورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم نے کیوں نہ دیا حالانکہ وہ ساتویں آسمان پر تھے ان سے حضور کی ملاقات واپسی پر یقیناً پہلے ہوئی ہو گی۔

اس سوال کے دو جزو ہیں اول یہ کہ تخفیفِ صلوٰۃ کا کام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ کیوں انجام پذیر ہوا، ابتداءً ہی پانچ نمازیں کیوں نہ فرض کر دی گئیں؟ دوم یہ کہ تخفیفِ صلوٰۃ کی درخواست کا مشورہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیوں نہ دیا؟

جزو اول کے بارے میں عرض ہے کہ اگر شروع ہی سے پانچ نمازیں فرض کر دی جاتیں تو اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ خداوندی میں بار بار حاضری کا موقعہ نہ ملتا اور بار بار کی حاضری سے آپ کے علوم مرتبہ کی ملاءِ اعلیٰ میں جو قدر ہوئی یہ حاصل نہ ہوتی۔ دوم یہ کہ اس صورت میں پانچ نمازیں ادا کرنے سے پانچ ہی کا ثواب ملتا اور اب ثواب پچاس ہی کا ملتا ہے اگرچہ پانچ پڑھتے ہیں، چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب پانچ نمازیں طے ہو گئیں تو اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا۔

هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُونَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ۔

یہ نمازیں ادائیگی میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس ہیں (جو ثواب مقرر و مقدر تھا وہ اب بھی ملے گا) طے شدہ بات میں میرے پاس تبدیلی نہیں ہوتی۔

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا۔

اَمْضَيْتُ فَرِيضَتِيْ وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِيْ

یعنی میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی (یعنی گنتی میں پچاس ہی نمازیں ہوں گی اور پڑھنے میں پانچ ہی کے مکلف ہوں گے۔

جزو دوم کے جواب میں محدثین کرام نے کئی باتیں لکھی ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خلیل ہیں، مقام خلت کا تقاضا تسلیم و رضا ہے جو حکم ہوا مان لیا آگے سوچنا کچھ نہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کلیم ہیں مقام تکلم مقام ناز ہے اور موجب انبساط ہے جو کلیم جرأت کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا، پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اہلِ شرک و کفر سے زیادہ واسطہ پڑا تھا، ان ہی لوگوں سے بحث و مناظرہ میں عمر مبارک صرف ہوئی آپ کے اتباع اور امت اجابت کے افراد زیادہ نہیں ہوئے اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ پکے فرمانبردار تھے۔ نافرمانوں اور فاسقوں کے رنگ ڈھنگ بچشم خود اس قدر نہ دیکھے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت میں آزمائے تھے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذہن تخفیف کرانے کی طرف چلا گیا اور اپنے تجربہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

فانی قد بلوت بنی اسرائیل وخبرتھم (رواہ مسلم وبخاری)

یعنی میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں

اور اسی تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ اتنی نمازیں پڑھنا آپ کی امت کے لئے دشوار ہو گا۔

۱؎ دیکھئے فتح الملہم ص۳۲۳ ج۱، جواب کا اکثر حصہ ہم نے وہیں سے نقل کیا ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کی خیر خواہی سے غافل نہ تھے مگر انھوں نے تکثیر حسنات کو پیش نظر رکھا جس کی وجہ سے پچاس نمازوں کی فرضیت کی خبر سن کر دل باغ باغ ہو گیا اور خوشی کی انتہا نہ رہی جب یہ خبر ملی کہ کعبہ شریف بناتے وقت میں نے رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ کے ذریعہ جس امت کے لئے دعا کی تھی وہ آج نوازی جا رہی ہے اور اسے رات دن میں پچاس مرتبہ بارگاہ خداوندی میں حاضری کا شرف دیا جا رہا ہے پھر بھلا وہ تخفیف صلوٰۃ کا مشورہ کیوں دیتے۔ چونکہ وہ تکثیر حسنات کی طرف متوجہ تھے اس لئے انھوں نے امت محمدیہ کو پیغام بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

یا محمد اقرء امتک السلام

اے محمد میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہہ دیجئے اور یہ پیغام پہنچا دیجئے کہ

ان الجنة طيبة التربة عذبة الماء

وانها هي قيعان وان غراسها

سبحان الله والحمد لله ولا اله الا

الله والله اكبر (ترمذی)

بلاشبہ جنت کی اچھی مٹی ہے اور عمدہ پانی ہے اور وہ بالکل چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر

مطلب یہ ہے کہ گو جنت میں سب کچھ ہے مگر اسی کے لئے جو کچھ لائے، خالی ہاتھ جائے تو کیا پائے گا؟

جسے جنت کی تمنا ہے اسے چاہئے کہ جنت کو خالی سمجھے اور یہ یقین کرے کہ جو ساتھ لے جاؤں گا وہی وہاں پاؤں گا، جیسے کوئی اچھی زمین پر محنت کرے تو اچھا پھل پائے اور خالی چھوڑ دے تو کچھ نہ ملے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امت کو اپنی خواہی سے محروم نہ رکھا مگر چونکہ تکثیر حسنات کا جذ[بہ] کارفرما تھا اور مقام خُلت کا تقاضا تسلیم و رضا تھا اس [لئے] نہ صرف پچاس نمازوں کو مان لیا بلکہ ساتھ ہی ساتھ ذک[ر کی] مشغولیت کا بھی پیغام بھیج دیا۔ فصلی اللہ علی نبینا وعلی[ہ]

باقی سائل کا پچاس نمازوں کو بار گراں کہنا بیجا [ہے] اور بے ادبی ہے۔ بھلا محبوب کے دربار کی حاضری گراں ہ[وتی] ہے، اس حاضری کی قدر حضرت ابراہیم علیہ السلام [نے] پہچانی، وہ اس دور کے بزعم خود "مہذب" لوگوں کی [طرح] نہ تھے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ایسا معاملہ کرتے ہیں جیسے [حزب] مخالف کی طرف سے حکومت پر تنقید ہوتی ہے، غور ک[ا] مقام ہے کہ جب انسان کی زندگی کا اصل مقصد ہی بند[گی] ہے تو ۲۴ گھنٹے میں پچاس نمازیں بالکل زیادہ نہیں۔ بلکہ کم ہیں، بندہ کو ہر وقت تذکار محبوب اور حضوری [...] میں لگا رہنا چاہئے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے رخ [سے] امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کی خیر خواہی کی انھوں نے چاہا کہ اس امت میں معاصی اور سیأت نہ ہوں اگر نمازیں زیادہ فرض ہوں گی تو سستی لوگ قضا کریں گے، کم فرض ہوں گی تو بہت سے حضرات ا[دا] کر لیں گے، اور جو لوگ بالکل ہی نہ پڑھیں گے وہ [اتنے] بڑے گناہگار نہ ہوں گے جیسا کہ پچاس نمازیں ترک [کر کے] گناہگار ہوتے، اللہ تعالیٰ شانہٗ کا یہ کتنا بڑا کرم ہے ک[ہ] تو پانچ کی پچاس لکھی جائیں۔ اور کوئی اگر بالکل ہی نہ پ[ڑھے] تو صرف پانچ قضا کرنے کا مجرم ہو، خلاصہ یہ کہ حضر[ت] خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جذبۂ تکثیر حسنات [کے] پیش نظر تخفیف صلوٰۃ کا مشورہ نہ دیا بلکہ جنت کے پود[ے] بتا دیئے اور ذکر اللہ کی مشغولیت کی ترغیب دی اور حض[رت] کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقلیل سیأت کو اپنے [...]

٭ ہم کو چاہئے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا جواب دیں مثلاً یوں کہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ

(بقیہ بر ص[...]

اے ماؤں، بہنو، بیٹیو!

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

خواتین اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں

سترھویں حدیث

وَعَنْ اُخْتٍ لِحُذَیْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ اَمَا لَکُنَّ فِی الْفِضَّةِ مَا تَحَلَّیْنَ بِہٖ اَمَا اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْکُنَّ امْرَاَةٌ تَحَلّٰی ذَھَبًا تُظْھِرُہٗ اِلَّا عُذِّبَتْ بِہٖ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عورتو کیا چاندی کے زیور سے تمہاری آرائشگی کا کام نہیں چل سکتا؟ خبردار! تم میں سے جو عورت ظاہر کرنے کے لئے سونے کا زیور پہنے گی اس کی وجہ سے ضرور عذاب بھگتے گی۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۹ بحوالہ ابوداؤد ونسائی)

تشریح: یہ تو سب جانتے ہیں کہ عورتوں کو زیور سے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے، ایک بزرگ کہتے تھے کہ اگر عورت کے جسم میں ہر جگہ سونے کی کیل گاڑ دی جائے تو سونے کی محبت کی وجہ سے ذرا بھی تکلیف محسوس نہ کرے گی، اللہ کی شریعت میں اعتدال ہے، نفس کی خواہشوں کی بھی رعایت رکھی ہے مگر حدود مقرر فرما دی ہیں۔ اور ایسے قانون لاگو فرما دیئے ہیں جو انسان کو غرور، تکبر، شیخی، دوسروں کی حقارت، خود پسندی اور خلق خدا کی دل آزاری اور حق تلفی سے باز رکھتے ہیں، اگر کسی عورت کو حلال مال سے میسر ہو تو سونے اور چاندی دونوں کا زیور پہن سکتی ہے، ایک شرط جائز ہونے کی زیور بنانے سے پہلے ہے یعنی یہ کہ حلال مال سے ہو اور دو شرطیں زیور پہننے کے بعد ہیں ایک یہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو دوم یہ کہ دکھاوے کے لئے زیو
نہ پہنا جائے اور اس سے شیخی بگھارنا مقصود نہ ہو۔ چاندی
زیور کوئی خاص زیور نہیں سمجھا جاتا ہے، اور اس میں ریاکار
اور شیخی خوری کا موقعہ زیادہ نہیں ہوتا اس لئے چاندی کے
زیور سے کام چلانا چاہئے اور دکھاوے اور اظہار شان
اور دوسروں کو حقیر جاننے سے بچنا چاندی کا زیور پہن کر بھی
ضروری ہے، چاندی کے زیور سے کام چلانے کی ترغیب
دیتے ہوئے آنحضرت فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
اَمَا لَکُنَّ فِی الْفِضَّةِ مَا تَحَلَّیْنَ بِہٖ ارشاد فرمایا، سونا
پہننے والی عورتیں بہت کم دکھاوے سے بچتی ہیں، اسی کو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت ظاہر کرنے
کے لئے سونے کا زیور پہنے گی اس کی وجہ سے عذاب

دیا جائے گا۔ زیور دکھانے کا مرض عورتوں میں بہت ہوتا ہے اور کسی کو پتہ نہ چلے تو مجلس میں بیٹھے ہوئے ترکیبوں اور تدبیروں سے بتاتی ہیں کہ ہم زیور پہنے ہوئے ہیں مثلاً بیٹھے بیٹھے گرمی کا بہانہ کرکے ایک دم کان اور گلا کھول دیں گی زبان سے کہیں گی اوئی کتنی گرمی ہے اور دل میں زیور ظاہر کرنے کی نیت ہے۔ "اعاذنا اللہ من مکائد النفس" مذکورہ بالا خرابیاں نہ ہوں تو عورتوں کو زیور پہننے کی گنجائش ہے مگر نہ پہننا پھر افضل ہے، دنیا میں نہ پہنیں گی تو آخرت میں بہت ملے گا، حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایت ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ حِلْيَةَ الْجَنَّةِ وَحَرِيْرَهَا فَلَا تَلْبَسُوْهَا فِي الدُّنْيَا (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۹) یعنی اگر تم جنت کے زیور اور ریشم کو چاہتے ہو تو دنیا میں نہ پہنو، جنت میں جو زیور اور لباس اور دیگر نعمتیں ملیں گی ان کی تفصیل جاننے کے لئے ہماری کتاب جنت کی نعمتیں پڑھئے۔

اٹھارویں حدیث

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ كَانَ آخِرُ عَهْدِهٖ بِإِنْسَانٍ مِّنْ أَهْلِهٖ فَاطِمَةُ وَأَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ عَلَيْهَا فَاطِمَةَ فَقَدِمَ مِنْ غَزَاةٍ وَقَدْ عَلَّقَتْ مِسْحًا أَوْ سِتْرًا عَلٰى بَابِهَا وَحَلَّتِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ قُلْبَيْنِ مِنْ فِضَّةٍ فَقَدِمَ فَلَمْ يَدْخُلْ فَظَنَّتْ أَنَّ مَا مَنَعَهٗ أَنْ يَّدْخُلَ مَا رَأٰى فَهَتَكَتِ السِّتْرَ وَفَكَّتِ الْقُلْبَيْنِ عَنِ الصَّبِيَّيْنِ وَقَطَعَتْ مِنْهُمَا فَانْطَلَقَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيَانِ فَأَخَذَهٗ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا ثَوْبَانُ اذْهَبْ بِهٰذَا إِلٰى آلِ فُلَانٍ إِنَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلِيْ أَكْرَهُ أَنْ يَّأْكُلُوْا طَيِّبَاتِهِمْ فِيْ حَيَاتِهِمُ الدُّنْيَا يَا ثَوْبَانُ اشْتَرِ لِفَاطِمَةَ قِلَادَةً مِّنْ عَصَبٍ وَّسِوَارَيْنِ مِنْ عَاجٍ (رواہ احمد وابوداؤد)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب سفر میں تشریف لے جاتے تو اپنے گھر والوں میں سب سے آخری ملاقات حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے تھے اس کے بعد روانہ ہوتے تھے اور جب واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے ایک بار آپ ایک جہاد سے واپس ہوئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا مگر داخل نہیں ہوئے بات یہ تھی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے در دیوار یا طاق پر) ایک پردہ لٹکا لیا تھا اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو چاندی کے دو کنگن پہنا دیئے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا یہ ماجرا دیکھ کر کہ آپ تشریف لا کر واپس روانہ ہو گئے فوراً محسوس فرمایا کہ آپ کی واپسی کی وجہ یہی دو چیزیں جو مزاج گرامی کو ناگوار ہوئیں، چنانچہ انھوں نے خود ہی وہ پردہ پھاڑ دیا اور دونوں صاحبزادوں کے کنگن کاٹ کر علیحدہ فرما دیئے۔ دونوں صاحبزادے روتے ہوئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے وہ کنگن ان کے ہاتھوں سے لے لئے اور (مجھ سے) فرمایا کہ اے ثوبان لو یہ لیجاؤ اور فلاں غریب گھرانے کے لوگوں کو دیدو (وہ فروخت کرکے اپنا کام چلالیں گے) یہ لوگ میرے گھر والے ہیں، میں یہ پسند نہیں کرتا کہ یہ لوگ اپنے حصہ کی عمدہ چیزیں دنیا دی

زندگی میں استعمال کرلیں (پھر فرمایا) کہ اے ثوبان فاطمہ رضہ کے لئے جانوروں کے پٹھوں سے بنا ہوا ایک ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لاؤ۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۰۳ بحوالہ احمد ابوداؤد)

تشریح اس حدیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ و سلم کے زہد اور دنیاوی نعمتوں اور لذتوں کے استعمال سے بے رغبتی کی ایک جھلک معلوم ہوئی، آپ صرف خود بلکہ اپنے گھر والوں کے لئے بھی دنیاوی لذتوں اور نعمتوں میں پڑنا ناپسند فرماتے تھے، ناپسند تو سب ں کے لئے تھا مگر اس سلسلہ میں زیادہ توجہ خود عمل پیرا ونے کی طرف تھی۔ حلال چیزیں استعمال کرنا چونکہ گناہ ہیں ہے اس لئے سختی سے روکنا مناسب نہ تھا البتہ اپنے ں میں سختی فرماتے تھے اور گھر والوں کو تنبیہ فرماتے رہتے ے، زیور اگرچہ عورت کے لئے حلال ہے مگر اسی کو پسند رمایا کہ استعمال نہ کیا جائے کیونکہ دنیا میں نعمتوں کے استعمال ے خطرہ ہے کہ آخرت کی نعمتیں کم ملیں، ظاہر ہے کہ دنیا کی تیں آخرت کی نعمتوں کے سامنے بالکل ہیچ ہیں اللہ کا پیارا صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیونکر پسند فرماتا کہ ان کی آخرت کی نعمتوں میں کمی آئے۔ اسی لئے چاندی کے کنگن ایک غریب گھرانے کے لئے بھیجدیئے، فصلے اللہ تعالےٰ علیہ واصحابہ وآلہ بقدر کمالہ وجمالہ۔

مسئلہ: عورتوں کو چاندی سونے کا زیور پہننا جائز ہے بشرطیکہ حلال مال سے ہو اور ریاکاری مقصود نہ ہو اور مردوں کو صرف چاندی کی انگوٹھی کی اجازت ہے بشرطیکہ ۴ ۱/۲ ماشہ سے کم ہو، عورتوں اور مردوں کو اور کسی طرح سے سونے چاندی کا استعمال جائز نہیں ہے، مثلاً سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا اور سونے چاندی کے چمچے سے کھانا یا ان کی سلائی سے یا سرمہ دانی سے سرمہ لگانا یہ سب حرام ہے، مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی، جس پلنگ یا کرسی کے پائے سونے یا چاندی کے ہوں اس پر لیٹنا بیٹھنا بھی حرام ہے اور اس میں مرد و عورت سب کا ایک حکم ہے۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

(محمد معروف صاحب)

چہ اندازے نوشی است

سان تیاگو (چلی) ۱۵ اپریل آپ یقین کریں یا نہ کریں یہ سچ ہے کہ شراب پینے والوں کی بس کبھی نہیں ہوتی۔ یہ کہاوت گذشتہ روز چلی کے تین بلانوش شرابیوں نے اس وقت سچ کر دکھائی جب وہ شراب کے نشہ میں دھت ،، لیکن انگوری شراب کے مٹکے میں لال پری کو پکڑنے کی کوشش میں ڈوب مرے۔ یہاں جنوبی علاقے کے ایک قصبہ پیپیہ کے شراب تیار کرنے والے کارخانہ سے اطلاع ملی ہے کہ کارخانہ کے تین بلانوش ملازمین کو شراب کے جام پر جام لنڈھانے کے بعد جب مٹکے میں لال پری نظر آئی تو وہ اس مٹکے میں اتر گئے اور خیالی پری کی بھینٹ چڑھ گئے۔

(روزنامہ حریت کراچی ۱۷ اپریل ۱۹۶۸ء صفحہ ۵)

ایک نیا سبب خودکشی

شرلوک (کیلی فورنیا) ۱۴ فروری کل ۲۰، ۲۰ سال کی عمر کی دو بہنوں نے اس غم سے خودکشی کرلی، کہ ان کے قد و قامت کا حسن مشہور فلم اسٹار بریجیٹ بارڈوٹ کی برابری کسی طرح نہیں کرسکتا (اے۔ پی) ——— اسباب خودکشی کی فہرست میں یہ عنوان کبھی آج کے دور اور ماحول سے قبل کیوں شامل ہوا ہوگا (صدق جدید لکھنؤ)

محبوبہ کو سمندر برد کرنے پر جرمانہ

بوسٹن ۱۶ اپریل (اے پی پی۔ اے۔ پی۔ اے "آج کل کے لڑکے ضرورت سے زیادہ زندہ دل ہوئے ہیں" اس پر تبصرہ کرنے کے ساتھ بوسٹن کی بلدیاتی عدالت کے جج ایلی جاہ ایڈلو نے ایک نوجوان پر جو اپنی ۱۴ سالہ محبوبہ کو بوسٹن کی بندرگاہ میں۔۔۔ دھکیل دینے پر ایک سو ڈالر جرمانہ کیا ہے۔ لڑکی نے گواہی دیتے ہوئے عدالت کو بتایا کہ ۱۷ سالہ آرتھر فریڈریکو نے اس کا گلا گھونٹ کر سمندر میں دھکیل دیا تھا وہ دونوں ساحل کے قریب سے گذر رہے تھے کہ آرتھر کسی بات پر آگ بگولا ہو گیا، اور اسے سمندر میں دھکیل دیا۔ ایک راہگیر اس کی مدد کو پہنچا اور اسکی جان بچائی۔

ناجائز بچوں کے باپوں کی انجمن

نیورمبرگ (مغربی جرمنی) ۲۲ اپریل، ناجائز بچوں کے باپوں نے ان قوانین کے خلاف جنگ کرنے کے لئے ایک کلب بنالیا ہے، جو بغیر شادی کے پیدا ہونے والے بچوں کے حقوق کی حفاظت کیلئے کئے جاتے ہیں، اس کلب کو ناجائز بچوں کے باپوں کی انجمن کا نام دیا گیا ہے اور اس کا مقصد غیر شادی شدہ ماؤں کے مزید رعایتیں دینے کی مخالفت کرنا ہے، جرمنی میں ناجائز بچوں کی تعداد دس لاکھ ہے، اس کلب کے بانی چالیس سالہ ڈیزائنر لف گینگ لنگ ہے جس کی ایک جائز اور دو غیر قانونی بچے ہیں وہ ایک ناجائز بچہ کا بھی باپ ہو لیکن اس نے اسے کبھی دیکھا نہیں ہے اور جس کی پرورش کیلئے اسے اکیس پونڈ ماہانہ ادا کرنے پڑتے ہیں۔

(حریت ۲۴ اپریل ۱۹۶۸ء)

فیوضاتِ حسینی

تالیف : مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ترجمہ و مقدمہ از مولانا عبدالحمید صاحب سواتی۔

ناشر : ادارۂ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ پاکستان۔

حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ ماضی قریب کے معروف علماء میں سے ہیں۔ حدیث میں حضرت مولانا گنگوہیؒ، تفسیر میں حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ اور معقولات میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب کے شاگرد ہیں، پنجاب کے علاقے میں آپ نے توحید خالص کو پھیلانے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ موصوفؒ کے درس تفسیر میں اگرچہ بعض باتیں جمہور کے مسلک کے خلاف بھی تھیں، لیکن مجموعی حیثیت سے وہ بہت مقبول ہوا، نظمِ قرآن کا بیان اس کی امتیازی خصوصیت تھی۔ زیرِ تبصرہ کتاب موصوفؒ کے ایک فارسی رسالہ "تحفۂ ابراہیمیہ" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس رسالہ کا متن بھی شائع کیا گیا ہے۔ رسالہ کا موضوع تصوف کے بعض مسائل ہیں، اس میں ذکر و دعا کے فضائل اور اس کے مختلف طریقے بیان کئے گئے ہیں، ضمناً بعض علمی مسائل مثلاً توسل وحدت الوجود اور تصورِ شیخ وغیرہ پر بھی کلام کیا گیا ہے۔ ترجمہ سادہ اور صاف رواں ہے، کتاب کے شروع میں مولانا عبدالحمید صاحب سواتی نے ایک سو سے زائد صفحات میں مولانا حسین علی صاحبؒ کی سوانح بڑی محنت سے لکھی ہے، اور ان کا مسلک بیان کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ حدود ادب کی رعایت کے ساتھ موصوف کے تفردات اور شاذ اقوال پر فاضلانہ تنقید بھی کی ہے جو ان کی سلامتِ فکر پر دلالت کرتی ہے اس کے علاوہ مسئلہ توسل، وحدت الوجود اور تصورِ شیخ پر بھی مفصل بحث کی ہے۔ مجموعی حیثیت سے یہ کتاب اہلِ علم کے لئے بہت مفید ہے۔ ۲۶×۲۰ کے سائز پر ۲۰۴ صفحات اور سفید کاغذ پر عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ پانچ روپے قیمت رکھی گئی ہے (م۔ ت۔ ع)

فلسفۂ دعاء

از جناب پروفیسر فضل احمد عارف ایم اے

ناشر : مکتبہ رشیدیہ غلہ منڈی ساہیوال (سابق منٹگمری)، صفحات ۱۸۴، کتابت و طباعت متوسط قیمت مجلد مع گرد پوش چار روپے۔

اس کتاب میں دعاء کے فلسفے پر مختلف گوشوں سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ پہلے باب میں بہت سے مسلم و غیر مسلم فلاسفہ کے اقوال درج ہیں۔ دوسرے باب میں دعا کے بارے میں اسلام کی ہدایات جمع کی گئی ہیں۔ قبولیت دعا کے کیا شرائط ہیں؟ اس سوال کا مفصل جواب تیسرے باب

میں دیا گیا ہے، اس ضمن میں بتایا گیا ہے کہ گنا ہگار کو بھی مایوس ہونے کے بجائے اللہ سے دعا مانگنی چاہیے، اور لوگوں کو بھی چاہیے کہ اسے رحمت خداوندی سے مایوس کرنے کے بجائے اللہ کی طرف رجوع کرنے پر آمادہ کریں، یہاں تک تو بات بالکل صحیح ہے، مگر یہ جملہ کہ:

"خدا کو گنہگار بہت عزیز ہیں" (ص)

ایک ایسا شاعرانہ تخیل ہے جس کی تبلیغ خطرناک ہے، لہٰذا اس جملے کو حذف کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ اس سے پہلے اور بعد کے جملے مفہوم ادا کرنے کے لئے کافی ہیں۔

چوتھے باب میں قرآنی دعاؤں کی خصوصیات پر جامع گفتگو کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ دعا کے کیا مقاصد ہونے چاہئیں۔ پانچویں باب میں انبیاء علیہم السلام کی دعائیں قرآن کریم سے جمع کر دی گئی ہیں، ساتھ ہی ان دعاؤں کا پس منظر اور ان کے مقاصد کو بڑی دلکش ترتیب سے بیان کیا گیا ہے: بحیثیت مجموعی یہ ایک دلچسپ مفید اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔ اور فاضل مصنف اس عرق ریزی پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اگر آئندہ طباعت کے وقت پہلے باب میں دعا سے متعلق وہ پوری بحث بھی شامل کر دی جائے جو امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں و اذا سالک عبادی عنی فانی قریب کے تحت لکھی ہے تو کتاب کی افادیت میں بڑا اضافہ ہو جائے گا۔ (م۔ت۔ع)

اعجاز قرآنی

مؤلفہ و مرتبہ: الحاج حافظ عبدالمجید شاکر چغتائی ۳۰×۲۰/۱۶ سائز، ۷۰ صفحات جامع مسجد غربی۔ کھروڑ پکا۔ مغربی پاکستان۔ کاغذ سفید کتابت و طباعت غیر معیاری۔ ہدیہ ایک روپیہ

درود و وظائف اور عملیات کا کوئی مسلمان منکر نہیں جو منکر بنتے ہیں افتاد پڑنے پر وہ بھی انہیں کا سہارا تلاش کرتے ہیں!

قرآن کو شفاء للناس فرمایا گیا۔ اور الناس!

جسم و روح کے مرکب پر بولا جاتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قرآن روح کو تو شفا بخشے اور جسم پر اثر نہ کرے!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھاڑ پھونک کی اجازت ثابت ہے! بزرگان دین اور اہل اللہ کے اثر انگیز معمولات بکثرت مرتب و مطبوع ہیں! عرض عملیات تعویذات اور درود وظائف کا انکار فیشن تو کہلا سکتا ہے مگر حقیقت نہیں۔

زیر تبصرہ رسالہ مولف نے عوام کے نفع اور خیر خواہی کے جذبہ کے پیش نظر مرتب کیا ہے۔ اور اس میں جسمانی عوارض دکھ، درد، بیماری وغیرہ کا قرآنی آیات سے علاج تجویز فرمایا ہے!

ہمیں امید ہے کہ جو حضرات اس سے استفادہ فرمائیں گے وہ قرآنی برکات کا خود مشاہدہ کر لیں گے۔

کتابت کی بعض غلطیاں اور طباعت کی خامیاں امید ہے آئندہ ایڈیشن میں دور کر دی جائیں گی (نعمانی)

ایمان پر اخلاقی جرائم کا اثر

مرتب: خواجہ محمد اسلام صاحب۔ کھڈیاں خاص ضلع لاہور ۲۹×۲۲/۱۶ سائز..... صفحات ۵۶، کاغذ سفید ولائتی، کتابت و طباعت آفسٹ۔ پلاسٹک کور سے مزین مجلد۔ قیمت ۲/۵۰ (جو اشاعت عام میں رکاوٹ بنے گی) ــــ ظاہری حسن و خوبی سے آراستہ اس کتابچہ کی افادیت کا اندازہ آپ اس کے عنوانات سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔

مرتب محترم نے اپنے جذبہ خدمت دین کو جن عنوانات کے ذیل میں پیش کیا ہے وہ یہ ہیں۔

اخلاق اور قرآن، جرائم کا اثر، توبہ کا طریقہ گناہ اور سزا، عمل صالح کی نفی، حقوق العباد کی معافی، اخلاقی جرائم کے نقصانات، زنا کا دنیاوی انجام، زنا کا اخروی خسارہ، زنا اور انفرادی و اجتماعی زوال، زنا اور ستر

اسلامی ۔ اخلاقی جرائم اور شرعی حدود وغیرہ !

مرتب موصوف نے جس دل سوزی اور جذبۂ خیر خواہی کے ساتھ یہ کتابچہ شائع کیا ہے، اس کا اجر انشاء اللہ بارگاہ صمدیت سے تو ان کو ملے ہی گا مگر جو مسلمان بھی اس کا مطالعہ کرے گا وہ بھی ان پاکیزہ خیالات سے ضرور متاثر ہوگا۔ یہ کتابچہ گو بقامت کہتر ہے مگر بقیمت (اجر و ثواب) بہتر ہے۔ (نعمانی)

ماہنامہ فاران

ایڈیٹر موسیٰ سلیمان کرماڈی

پتہ

سالانہ چندہ ایک پونڈ ۱۰ شلنگ فی پرچہ ۲ شلنگ ۶ پنس ۲۲ × ۱۷ سائز ۶۴ صفحات آفسٹ پیپر، کاغذ کتابت اور طباعت کے لحاظ سے پاک و ہند کے تمام معیاری پرچوں سے ممتاز !

سرزمین کفر و ضلال — یورپ — سے یہ آوازۂ حق، اردو زبان میں بلند ہوا ہے اور یہ اس کا اولین شمارہ ہے، حسن باطن کے ساتھ تزئین ظاہری نے اس میں چار چاند لگا دیئے ہیں !

اللہ کے یہ باعزم و ہمت نوجوان جو "فاران" کی شکل میں رشد و ہدایت، امن و سلامتی کے عالمگیر اسلامی پیغام کو لے کر اٹھے ہیں، ان کے مقاصد ہیں۔

— دین پاک کی تبلیغ و اشاعت، توحید و سنت کی حمایت و حفاظت اور حضرات سلف صالحین کے مسلک عالی کی ترقی و فروغ !

— تمام مسلمانوں کو حقیقی معنوں میں خدائے واحد کے پرستار بننے کی دعوت۔

— دنیا کے سارے انسانوں کو آقائے کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت سے وابستہ ہو کر دنیا و آخرت کی انتہائی سربلندیوں اور عزتوں کے حصول کی دعوت !

— حضرات صحابہ کرامؓ و فدایان سرور عالم، نیز حضرات اولیاء اللہؒ کے طرز زندگی اور مسلک کو اختیار کرنے کے لئے مسلمانوں کو راغب کرنا — تاکہ

ملت اسلامیہ خدا کی رحمتوں، اور افضال و عنایات کی مورد بنے، اور ان کے طفیل دنیا کا امن و سکون لوٹ آئے۔

کفر کی گھنگھور گھٹاؤں میں جن اولو العزم اور پرجوش جوانوں نے ایمان کی شمع روشن کرنے کا بیڑا اٹھایا ہو ان کی ہمت افزائی اور حوصلہ بڑھانے میں ملک و ملت کے جن زعماء نے ان کو شاباش دی ہے، ان میں پاک و ہند کی نمایاں مذہبی اور علمی شخصیتوں میں سے چند حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں ۔ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، مولانا سید محمد میاں صاحب، مولانا مفتی محمد اسماعیل گورا صاحب، الحاج موسیٰ بن یعقوب خلیفہ مولانا مسیح اللہ صاحب۔

فاران کے نقش اول کے چند عنوانات یہ ہیں !

بارگاہ نبوی میں ۔ تحریر مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی

عظمت قرآن (درس قرآن) ادارہ

مریض کے بدن میں انسانی خون کا استعمال از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

باب الاستفتاء :- مولانا مفتی اسماعیل گورا صاحب (ڈابھیل)

درس حدیث :- افادات مولانا بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فاران کی ایک پہاڑی سے صدائے حق، برکات الصالحین، انگلستان کے لیل و نہار وغیرہ وغیرہ۔

فاران چونکہ تجارتی نقطۂ نظر سے جاری نہیں کیا گیا اس لئے اس میں مصور اور غیر مہذب اشتہار نہیں ہونگے، بلکہ صرف دین حق کی دعوت دینے کی خاطر جاری کیا گیا ہو؛ اس لئے تبلیغی اور دینی جذبہ رکھنے والے مخیر اور درد مند مسلمانوں کو اس کی سرپرستی اور بھرپور تعاون کرنا چاہئے !

کارکنان فاران آئندہ اشاعت میں یہ اعلان ضرور کردیں کہ پاک و ہند کے خریدار کتنا چندہ اور کہاں جمع کرائیں !

ان کی طرف سے اعلان کے بعد ہم قارئین البلاغ کو "البلاغ" کے ذریعہ اس کی اطلاع دیتے رہیں گے۔ (نعمانی)

جنگ یرموک اسلامی تاریخ کی ایک عظیم الشان جنگ ہے۔ اس میں مسلمانوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ قیامت تک آنے والے بنی نوع انسان کے لئے روشنی کے مینار کا کام دے سکیں گے۔

اس جنگ کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ حمص کو فتح کر کے بیت المقدس پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اچانک ان کو یہ خبر ملی کہ قیصر روم شاہ ہرقل ایک جرار لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آرہا ہے۔ آپ نے یہ اطلاع پاتے ہی، اپنا ایک قاصد امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا جس نے آکر امیر المؤمنین کو موجودہ صورت حال سے خبردار کیا، آپ نے یہ اطلاع پاتے ہی ارد گرد کے صوبوں میں جو گورنر تھے ان کو ہدایت کی کہ وہ دشمن کی یلغار کے مقابلہ کو فوراً ایک جگہ جمع ہو جائیں، چنانچہ گورنروں نے آپ کا حکم پاتے ہی روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حمص والوں سے جس قدر جزیہ کی رقم وصول کی گئی تھی وہ سب ان کو یہ کہہ کر واپس کر دی گئی کہ ہم اب ایک مہم میں مبتلا ہونے کے باعث تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے لہٰذا تمہیں اختیار ہے جس طرح بنے اپنی حفاظت کرو۔[1]

جب ارد گرد کے صوبوں سے گورنر اپنی اپنی فوجیں لے کر ایک جگہ جمع ہو گئے تو تمام لشکر کی کمان حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دی گئی، آپ نے کمان ہاتھ میں لینے کے بعد لشکر کو ایک مناسب تنظیم پر رکھ کر یرموک کی جانب پیشقدمی شروع کر دی جب فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو آپ نے لشکر کو روکا اس کے بعد گورنروں نے لشکر کے جذبۂ جہاد کو مزید برانگیختہ کرنے کے لئے ولولہ انگیز خطبات دیئے ان میں سے حضرت ابو عبیدہ کا خطبہ لکھا جاتا ہے۔

---

[1] اہل حمص سے اس قسم کا سلوک کرنا اسلامی احکام کی جیتی جاگتی تصویر ہے، درحقیقت اسلام کے احکام ایسے ہی صاف اور بے لوث ہیں

ہو جن میں جبر و اکراہ تو کجا عدل و انصاف اور سیاست و تمدن کے قوانین میں حاکم، محکوم۔ فاتح، مفتوح اور مسلم غیر مسلم سب یکساں ہیں مسلمانوں کے اس حسن سلوک اور بلند کردار سے متاثر ہو کر اہل حمص کو مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ "تمہاری حکمرانی اور تمہارا انصاف قابل تعریف ہے۔ ہم بجائے اس کے کہ اپنے بادشاہ سے خوش ہوں تم سے خوش ہیں"۔ یہ تمدن اسلام!

عباد الله انصروا الله ينصركم ويثبت اقدامكم يا معشر المسلمين۔ اصبروا فان الصبر منجاة من الكفر مرضاة للرب و مدحضة للعار۔ ولا تبرحوا مصافكم ولا تخطوا اليهم خطوة ولا تبدءوهم بالقتال وشرعوا الرماح واستتروا بالدرق والزموا الصمت الا من ذكر الله في انفسكم حتى امركم ان شاء الله۔

اے اللہ کے بندو! اللہ کے دین کی مدد کرو اور اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے قدموں کو جما دے گا۔ مسلمانو! ثابت قدم رہو، ثابت قدمی میں کفر سے نجات ہے اور یہ اللہ کو محبوب ہے اس کی وجہ سے تم بزدلی کے عیب سے بچے رہوگے تم اپنی جگہوں پر ڈٹے رہو۔ جب تک وہ لڑائی شروع نہ کریں تم ان کی طرف ایک قدم بھی مت بڑھانا۔ نیزے استعمال کرو اور ڈھال سے بچاؤ کرو اور خاموشی اختیار کرو، ہاں اپنے دل میں اللہ کو ضرور یاد کرتے رہو۔ جبتک دوسرا حکم نہ دوں اس پر عمل پیرا رہو۔

اس کے بعد حضرت خالد رض نے اپنے لشکر کو ایک ترتیب پر رکھنا شروع کیا، دوسری طرف رومی لشکر سردار ہامان نے بھی اپنے لشکر کی صف آرائی شروع جب فریقین نے صف آرائی مکمل کرلی تو جرجہ رومی لشکر مقدمۃ الجیش کا سپہ سالار تھا اپنی صف سے نکل کر میدان یا اور حضرت خالد رض کو آواز دی، آپ اس کی آواز میدان میں تشریف لائے اور جرجہ کے مقابل اس طرح ہوگئے کہ دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں مل گئیں، نے دوسرے کو امن دے دیا، جرجہ نے گفتگو شروع کی یں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں مجھے سچا جواب عنایت فرمائیے، کیونکہ شریف آدمی جھوٹ نہیں بولا کرتا، حضرت خالد رض نے فرمایا آپ دریافت کریں میں انشاء اللہ سچا جواب دوں گا۔

جرجہ: کیا اللہ نے تمہارے نبی پر کوئی تلوار نازل فرمائی ہے اور نبی نے وہ تلوار تم کو دی ہے جس کی وجہ سے تم جب دشمن پر حملہ کرتے ہو تو ان کو ہزیمت ہو جاتی ہے

حضرت خالد رض: اللہ نے کوئی تلوار نازل نہیں فرمائی۔

جرجہ: پھر آپ کا نام سیف اللہ کیوں ہوا؟

خالد رض: اللہ نے اپنے سچے نبی کو ہماری ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ اول تو ہم سب نے اس کو جھٹلایا اور میں بھی ان جھٹلانے والوں میں تھا، لیکن اللہ نے مجھ پر احسان کیا میرے دل کو اپنی جانب پھیر لیا، چنانچہ میں اللہ کے نبی پر ایمان لے آیا، اور آپ ﷺ نے مجھے سیف اللہ کا خطاب دیا اور میرے لئے نصرت اور کامیابی کی دعا فرمائی اس روز کو میرا نام سیف اللہ ہو گیا۔

جرجہ: یہ تو آپ نے صحیح بتلا دیا۔ اب فرمائیے تم ہمیں کس چیز کی طرف بلاتے ہو اور کس بات کی دعوت دیتے ہو۔

خالد رض: ہم اس بات کی طرف بلاتے ہیں کہ کلمہ شہادت پڑھو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو احکام لائے ہیں ان کو تسلیم کرو۔

جرجہ: لیکن اگر کوئی اس بات کو نہ مانے تو؟

خالد رض: تو وہ محصول ادا کرے اور مسلمانوں کے امن میں آجائے، مسلمان اس کی جان و مال کی ایسی حفاظت کریں گے جیسے اپنی کرتے ہیں۔

جرجہ: اگر وہ اس کو بھی نہ مانے تو؟

خالد رض: تو ہم اول اس کو جنگ کی اطلاع کریں گے اور اس کے بعد جنگ کریں گے۔

جرجہ: اگر کوئی تمہارے کہنے کو مان لے اور اسلام قبول کرے تو پھر؟

خالد رض : ایسا شخص ہمارے مساوی ہو جاتا ہے، اس کے حقوق ہمارے حقوق کے برابر ہو جاتے ہیں، اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان میں اول، آخر اور ادنیٰ اعلیٰ سب یکساں ہیں۔

جرجہ : یہ بات تو بعید ہے کہ ایسا آدمی تمہارے برابر ہو جائے، کیونکہ تم لوگ تو اس سے پہلے اسلام لا چکے ہو لہٰذا ایسا آدمی تمہارے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟

خالد رض : یہ صحیح ہے کہ ہم سابق الاسلام ہیں مگر ہم نے نبی علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آپ کے معجزات کا مشاہدہ کیا تو پھر ہم ایمان لے آئے یہ کوئی فضیلت کی چیز نہیں ہے کیونکہ جو شخص ان چیزوں کا غور سے مشاہدہ کرے گا تو ضرور ایمان لے آئے گا۔ ہاں وہ لوگ جنھوں نے نہ آپ کی صحبت پائی اور نہ ہی آپ کے معجزات کا مشاہدہ کیا۔ لیکن صدق دل سے ایمان لے آئے تو یہ لوگ ہم سے افضل ہوں گے۔

جرجہ : آپ نے صحیح فرمادیا ہے۔

اس صاف اور بے لوث گفتگو نے جرجہ کو مسخر کرلیا۔ اب وہ بجائے اس کے کہ مقابلہ کرتا، حضرت خالد رض سے کہا کہ مجھے اسلام کی تلقین کرو۔ میں اسلام قبول کرتا ہوں حضرت خالد رض ان کو اپنے خیمہ میں لے گئے۔ اور غسل کرانے کے بعد دو رکعتیں پڑھوائیں۔ اب وہی قلب جو اسلام کی دشمنی سے پُر تھا مسخر ہو کر محبت خدا اور رسول سے مالا مال ہو گیا جرجہ کی یہ نماز زندگی کی آخری نماز تھی، اسی دن پچھلے پہر مسلمانوں کی حمایت میں لڑتے لڑتے جان قربان کر دی۔

اس گفتگو کے بعد طرفین سے جنگ شروع ہوئی آخر کار مسلمانوں کی چالیس ہزار فوج نے دشمن کی دو لاکھ فوج کو شکست دے کر میدان یرموک فتح کرلیا۔

رومیوں کو جب مسلمانوں کی اس مختصر سی فوج کے سامنے اپنے پاؤں چھتے نظر نہ آئے تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ آخر مسلمانوں کے پاس وہ کونسی طاقت ہے جس کے ذریعہ وہ برق رفتاری سے فتوحات حاصل کرتے ہوئے پیشقدمی کر رہے ہیں، چنانچہ ایک جرنیل نے عربی نسل جاسوس کو مسلمانوں کی اس طاقت کو معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ جاسوس عربی نسل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی زبان اور دیگر اطوار سے خوب واقف تھا اس لئے ان کے حالات کی جانچ پڑتال اچھی طرح کرکے واپس آگیا۔ جرنیل نے پوچھا۔ کہو تو نے کیا دیکھا؟ اس نے رپورٹ پیش کی

رھبانٌ باللیل وفرسانٌ بالنھار لو سرق ابن ملکھم قطعوہ ولو زنی رجم لاقامۃ الحق فیھم۔

میں نے دیکھا کہ یہ لوگ راتوں کو راہب اور عابد ہیں اور دن میں بہادر اور شہسوار ان میں اگر کوئی چوری کرتا ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اگرچہ بادشاہ کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، اس رپورٹ سے جرنیل بر آشفتہ ہو کر کہ

ان کنت صدقتنی لبطن الارض خیر من لقاء ھؤلاء۔

اگر تو نے سچ کہا تو زمین کے اندر اتر جانا بہتر ہے ان لوگوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے۔

حضرت ابو عبیدہ کے خطبے اور اس جاسوس کی [illegible] سے صاف عیاں ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی آلات حرب و ضرب پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ کی یاد پر ہے

نوٹ : یہ مضمون البدایہ والنہایہ ج ۹ اور تاریخ الکامل ج ۲ سے ماخوذ ہے۔